اسلامی نظریۂ کائنات
وحدتِ مشیت ورضا

محمد ریاض کرمانی

عام مذہبی معاشروں کا مشترکہ عقیدہ ہے کہ کائنات اپنے خالق کی مشیت سے وجود میں آئی ہے اور خالق اس کائنات میں جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسلام میں بھی یہ عقیدہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اسلام میں اس کائنات کے ہر مظہر کے پیچھے اصل قوت اللہ کی مشیت اور اس کی اجازت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ انسانی اعمال بھی صرف اس وقت موثر ہوتے ہیں جب مشیّتِ الٰہی کی مدد ونصرت شامل حال ہو اور اُدھر سے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے، اس عقیدے پر یقین کرنا جس قدر آسان ہے اسی قدر مشکل اس کو سمجھنا ہے، لیکن مذہب میں اس کی اہمیت اور اسلامی علمی جدّ و جہد میں اس کی شدید ضرورت کے پیشِ نظر ذیل میں اس عقیدے کو وحی اور عقل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ا۔ نظامِ مشیت

مشیّت شآء کا مصدر ہے اور شآء کے معنی ہیں اُس نے چاہا۔ قرآنِ کریم میں اس لفظ کے بہت سے مشتقات استعمال ہوئے ہیں جن سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیّت محیط ہے اور کُل کائنات میں اس کا عمل دخل ہے[1]۔ جو کچھ اللہ چاہتا ہے اور اس کے بارے میں کُــن کہتا ہے وہی کچھ ہو جاتا ہے[2]۔ چنانچہ ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ کل کائنات ایک نظامِ مشیّت ہے اور دنیا کی ہر شئ کو مشیّت کی ایک نوع کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً مشیت- الشمس، مشیت -القمر، مشیّت - الناس، مشیّت - الوَحی اور مشیّت - التجر بہ وغیرہ۔ اللہ کی مشیت مختلف اشیاء کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جو منظم کائنات میں مربوط پائی

جاتی ہیں۔ چنانچہ ہم کائنات کو ایک مکمل نظام مشیت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور پھر اس کی مختلف اشیاء کو ذیلی مشیتوں کی حیثیت سے دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کائنات بحیثیت مجموعی نظامِ مشیت ہے تو کہکشائیں اس کے ذیلی نظام ہیں۔ پھر اُن کے ذیلی نظامہائے شمسی ہیں، جن کے ذیل میں ہمارا نظامِ شمسی، پھر اسکے مختلف سیارے وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا مثالیں مادّی مصنوعات سے ہیں، مگر مشیت غیر مادّی مصنوعات مثلاً روح، عقل، قوت، ملائکہ اور جن وغیرہ کی صورت میں بھی موجود ہے۔ غیر مادّی مشیت سے بھی ماوراء منتزع یا مجرد مشیّت ہے جو دراصل اللہ کی صفت ہے جو فرض کیجئے کہ اللہ میں نہ ہوتی تو وہ کوئی چیز وجود میں ہی نہ لاتا۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ چیزیں وجود میں لاتا ہے اور اتنی بڑی کائنات ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے تو پھر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہے کہاں؟ جہاں تک منتزع مشیّت کا معاملہ ہے تو اس کے لئے اس قسم کے سوال کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ تو اللہ کی صفت ہے اور اس لحاظ سے وہ اللہ کے وجود میں اسی طرح شامل ہے جس طرح اس کی صفت رحمت وتخلیق شامل ہے۔ اس لئے اس کے لئے کسی مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر مادّی اور غیر مادّی مصنوع مشیت کے قیام وعمل کے لئے مکان کی ضرورت بہر حال ہے۔ کیا یہ مکان اللہ کی ذات سے باہر ہے؟ یہ ممکن نہیں کیونکہ اللہ کی ذات بے انتہا ہے۔ کیا مصنوع مشیّت اللہ کی ذات میں گھلی ملی ہے؟ اس کا امکان بھی نہیں ہے کیونکہ صورتیں اللہ کی ذاتی قربت کو برداشت نہیں کر سکتیں[۳]، اب ایک ہی امکان باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیا کی تخلیق یعنی اپنی مشیت کو صورتوں میں ڈھالنے اور ان صورتوں کو عمل پر لگانے کے لئے خود اپنی ذات میں وسیع خلاء قائم کرے۔ اس خلاء کو ہم عدم کہتے ہیں۔ یہی وسیع ترین عدم ہے جس کو ہم دوسرے الفاظ میں معمّل مشیت کہہ سکتے ہیں جو اللہ کے انتہائی قرب کو برداشت کر سکتا ہے۔ عدم ہی ایسا مکان ہے جو اللہ کی تخلیقی عمل کا مقام ہو سکتا ہے اور جو مادّی اور غیر مادّی مصنوع مشیت سے کئی گنا بڑا ہے۔ چنانچہ اللہ کی مشیّت خواہ وہ غیر مادّی یا مادّی صورتوں میں ہو یا صرف عملی سطح پر پائی جائے، دراصل عدم ہی میں کام کرتی ہے۔ اب تک کی گفتگو کے نتیجے میں

اللہ کی مشیّت کی تین قسمیں سامنے آتی ہیں۔

ا۔ منتزع مشیّت : یعنی مجرد، بے شکل مشیّت جو اللہ کی صفت ہے اور جس کی وضاحت شَآءَ، اراد ، قضٰی ،امر اور اذن جیسے الفاظ سے ہوتی ہے۔

۲۔ معمل مشیّت : یعنی عدم، خلاء، مکان، عمل گاہ یعنی اللہ تعالیٰ کا میدانِ کار۔

۳۔ مصنوع مشیّت :

(ا) غیر مادّی : مثلاً روح، عقل قوت، ملائکہ، اجنّہ۔

(ب) مادّی : یعنی ہمارے گردوپیش اور زمان ومکان میں موجود قابلِ مشاہدہ کائنات جس میں ہم خود بھی شامل ہیں۔

مذکورہ بالا فہرست سے ظاہر ہے کہ صرف پہلی قسم یعنی منتزع مشیّت پر ہی لفظ مشیّت کا لغوی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ باقی اقسام منتزع مشیّت کا خَلْقی سطح پر اظہار ہیں۔ بہر حال بالکل اسی طرح جس طرح مجرد حسن مصنوع حسن کے تعلق سے ہی سمجھ میں آتا ہے اسی طرح منتزع مشیّت کو مصنوع مشیّت کے ذریعہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اب خواہ یوں کہا جائے کہ ہر مخلوق اس کی مشیّت سے ہے یا یوں کہا جائے کہ ہر مخلوق اس کی مشیّت ہے، اصل بات میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ کسی چیز کے موجود یا غیر موجود ہونے میں مشیّت ہی اصل ہے جسے کسی حال میں بھی لاتعلق نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا مذکورہ بالا تینوں اقسام کی تفہیم بہت ضروری ہے۔

۱.۱. منتزع مشیّت کا نظام

منتزع مشیّت اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے تعلق سے مکمل طور سے قابلِ فہم نہیں ہوسکتی۔ البتہ بشری سطح پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کچھ کرنا چاہتا ہے، کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے، کچھ بنانا اور کچھ بننا چاہتا ہے۔ انسانی سطح پر یہ چاہنا جذبات کی ایک قسم ہے جو کچھ کرگزرنے کے لئے ایک بیج کی طرح کام کرتی ہے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ انسان کی بہت سی مشیّتیں پوری نہیں ہوتیں، وہ بس دل میں پیدا ہوتی ہیں اور درد دے کر چلی جاتی

ہیں۔ چنانچہ یہ بشری مثال اللہ کی مشیّت کا اندازہ کرنے کے لئے محض ایک علامت ہے۔
اللہ کی مشیّت کوئی جذبہ نہیں ہے بلکہ یہ ہمیشہ عمل میں آتی ہے اور تاثیر پیدا کرتی ہے۔

اللہ کی منتزع مشیّت میں تمام مؤثر قوتیں مثلاً ارادہ، امر، اذن، تسخیر، تقدیر اور تدبیر خالص اور کامل ہوتی ہیں جو علم کی بے انتہا روشنی میں عمل درآمد کرتی ہوئی واقعات کو گرفت میں رکھتی ہیں۔ اللہ نے اپنی منتزع مشیّت کو اپنی مخلوق کی نسبت سے کس انداز سے واضح کیا ہے اس کو سمجھانے کے لئے ذیل میں کچھ قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱.۱.۱. منتزع مشیّت اور تخلیق

۱۔ لِلّٰہ ملکُ السموات والارض یخلق مایشآء یھب لمن یشآء اناثا ویھب لمن یشآء الذکور. (الشوریٰ:۴۹)	اللہ زمین اور آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے۔ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔
۲۔ وربک یخلق مایشآءُ ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ (القصص:۶۸)	تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور وہ (خود ہی اپنے کام کے لئے جسے چاہتا ہے) منتخب کرلیتا ہے، یہ انتخاب ان لوگوں کے کرنے کا کام نہیں ہے اللہ پاک و برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔
۳۔ واللّٰہ خَلَقَ کل دابۃٍ مِّنْ مآء فمنھم من یمشی علیٰ بطنہ ومنھم من یمشی علیٰ رجلین و منھم من یمشی علیٰ اربع یخلق اللہ مایشآء ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر. (النور:۴۵)	اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱.۱.۲. منتزع مشیّت اور فطری افعال

ا۔الم تر الٰی ربک کیف مدّ الظلَّ ،وَلَو شآءَ لَجعَله ساکناً ج ثمَّ جعلنا الشَّمسَ علَیہِ دلیلاً (الفرقان:۴۵)

تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے۔اگر وہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا۔ہم نے سورج کو اُس پر دلیل بنایا۔

۲۔ وینزّلُ مِنَ السَّمَآءِ من جبالٍ فیھا من بردٍ فیُصیبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُہٗ عن مَنْ یَّشَآء (النور:۴۳)

اور وہ آسمان سے اُن پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں ، اولے برساتا ہے، پھر جسے چاہتا ہے ان سے نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچالیتا ہے۔

۱.۱.۳. منتزع مشیّت انسان کی تخلیق

ا۔ھو الّذی یُصَوِّرُکم فی الارحامِ کیفَ یَشَآءُ لآ اِلٰہَ الاّ ھو العزیز الحکیم (آل عمران : ٦)

وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے۔ اُس زبردست حکمت والے کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔

۲۔قالَ ربِّ اَنّٰی یکونُ لِی غلامٌ وقد بَلَغَنِیَ الکِبَرُ وَامراتِی عاقر قالَ کذالِک اللّٰہُ یَفعَلُ مَایَشآء (آل عمران : ۴۰)

زکریا نے کہا پروردگار بھلا میرے یہاں لڑکا کہاں سے ہوگا؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ جواب ملا ایسا ہی ہوگا۔اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۳۔ قالت ربِ انّٰی یکونُ لِی وَلَدٌ ولم یمسسنی بَشَرٌ قالَ کذالِک اللّٰہُ یخلُقُ مَایَشَآءُ اذا قضٰی اَمراً فاِنّما یقولُ لَہٗ کن فیکون (آل عمران : ۴۶)

مریم بولی پروردگار میرے یہاں بچہ کہاں سے پیدا ہوگا، مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا ایسا ہی ہوگا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے۔

۱.۱.۴ منتزع مشیّت اور انسانی اختلافات

۱۔ وَلَوشَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحدۃً وَّلٰکِنْ لِیَبْلُوَکُمْ فِی مَاآتکم فاستبِقُوالخیرات (المائدہ: ۴۸)

اگر تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اُس نے تم لوگوں کو دیا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

۲۔ وَلَوشَآءَ اللّٰہُ مااقتتَل الّذِین من بعدھم من بعد مَا جَاءَ تھم البیناتُ ولکنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْھُمْ مَن آمنَ وَمِنْھُمْ مَنْ کَفرَ وَلَوشآءَ اللّٰہُ مَااقتَتَلُوا وَلکنَّ اللّٰہَ یَفْعَل مَا یُرید (البقرہ : ۲۵۳)

اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے وہ آپس میں لڑتے۔ مگر انہوں نے باہم اختلاف کیا، پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔ ہاں اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۱.۱.۵ منتزع مشیّت اور انسانی علم

۱۔ وعلَّمَ آدمَ الاسْمَآءَ کلّھا (البقرۃ : ۳۱)

اللہ نے آدم کو سارے نام سکھادیئے۔

۲۔ فَتَلَقّٰی آدَمُ مِن رَّبِّهٖ کلماتٍ فتابَ علیهِ اِنَّهٗ هو التوّابُ الرحیم (البقرہ : ۳٦)

آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کرلیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۳۔ یَعْلَمُ مَابَینَ ایدیهم وَمَا خَلْفَهُمْ وَلاَ یُحیطُونَ بِشَیٍٔ مِنْ عِلْمِهٖ اِلاّ بِما شَآءَ (البقرہ: ۲۵۵)

جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے، اس سے بھی واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفت اور ادراک میں نہیں آسکتی اِلاّ یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔

۱.۱.٦. اللہ کی منتزع مشیّت اور دنیا میں انسان کی مشیّت

۱۔ انکَ لاتهدی مَن اَحْبَبْتَ ولکِنَّ اللّٰهَ یهدی مَنْ یَّشَآء (القصص: ۵٦)

اے نبی تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

۲۔ اِنَّ هٰذِهٖ تذکره فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی ربِّهٖ سبیلاً وَمَا تَشَآءُونَ اِلاَّ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰه (الدهر : ۲۹ – ۳۰)

یہ ایک نصیحت ہے اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے۔ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے۔

۳۔ ان هو اِلاّ ذکر لّلعٰلَمین لِمن شَآءَ منکم اَنْ یَّستَقِیم وَمَاتَشَآؤنَ اِلاّ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ربُّ العٰلَمینَ. (التکویر: ۲۷ – ۲۹)

یہ تو سارے جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو راہِ راست پر چلنا چاہتا ہو۔ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔

۷.۱.۱ اللہ کی منزّع مشیّت اور آخرت میں انسان کی مشیّت

۱۔ لایسمعونَ حَسِیسھا وھم فی مَااشْتَھَتْ اَنْفُسُھُم خَالِدون (الانبیاء: ۱۰۲)

وہ (جنت میں) جہنم کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ اپنی مَن بھاتی چیزوں کے درمیان رہیں گے۔

۲۔ وَقالُو الحمدُ لِلّٰہِ الّذي صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَاورَثنَا الارضَ نتبوَّأُ من الجنۃ حیثُ نَشآء (الزمر: ۷۴)

اور وہ کہیں گے شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کردکھایا اور ہم کوزمین کا وارث بنادیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بناسکتے ہیں۔

۳۔ ولکم فیھا مَا تَشتَھِی انفُسُکم ولکم فیھا مَا تدّعون. (حٰم السجدہ: ۳۱)

وہاں جو کچھ تم چاہوگے وہ تمیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کروگے وہ بھی تمہاری ہوگی۔

۴۔ وقال الذینَ فِی النّارِ لِخزَنَۃِ جَھَنَّمَ ادْعوربّکُم یُخَففْ عنّا یوماً مِن العذاب. قالُوا أوَلَمْ تک تاتیکم رُسُلَکُمْ بِاالبَیِّنٰتِ قالُوا بلٰی قالُوا فاذْعُوا وَمَادُعَاءُ الکٰفرینَ اِلاّ فِی ضلٰلٍ (المومن: ۴۹-۵۰)

پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے اہلکاروں سے کہیں گے ''اپنے رب سے دعا کروکہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی تخفیف کردے''۔ وہ پوچھیں گے ''کیا تمہارے پاس رسول بیّنات لے کرنہیں آتے رہے تھے؟ وہ کہیں گے ''ہاں'' جہنم کے اہلکار بولیں گے ''پھر تو تم ہی دعا کرواور کافروں کی دعا اکارت جانے والی ہے''

مذکورہ بالا آیات سے بالکل واضح ہوجاتاہے کہ کل کائنات اللہ ہی کی ہے۔ چاند، سورج، ستارے اوران کی حرکت اللہ کی مشیّت ہی سے قائم ہیں۔ ہواؤں کی رفتار اور رخ، پانی کا دورانیہ، بارش کا وقت اور مقام اللہ کی مشیّت ہی طے کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا وجود ہمارے تمام تر اختلافات کے ساتھ اللہ کی مشیّت ہی سے ہے۔ اللہ کی مشیّت

کے بغیر ہم علم بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ موجودہ نظم کائنات میں ہماری اپنی مشیّت موجود تو ہے مگر وہ بھی اللہ کی مشیّت کے بغیر مؤثر نہیں ہو سکتی۔ مذکورہ آیات کی روشنی میں ہم درج ذیل نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی منتزع مشیّت اصل الاصول ہے۔

۲۔ کل مخلوق اللہ کی منتزع مشیّت کی صنعت گری کا نتیجہ ہے۔

۳۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ کوئی اور تنظیم بھی ہو سکتی تھی۔ اللہ جب چاہے گا اس کو دوسرے انداز سے منظّم کر دے گا۔

۴۔ مخلوق ہونے کی وجہ سے انسانی مشیّت بھی اللہ کی مشیّت ہی سے ہے۔

۵۔ موجودہ تنظیم میں انسان کی مشیّت کا محدود اختیار کُل تنظیم کے مناسب کرنے کے لئے خدائی ہدایت کی ضرورت ہے جس میں انسان کا امتحان ہے۔

۶۔ اگر انسان اپنی مشیّت کو کل تنظیم کے مناسب نہیں کرتا تو خود ہی نقصان اٹھاتا ہے۔ تنظیم بہرحال اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔

۷۔ اللہ کی مشیّت کے اصل الاصول ہونے کے لحاظ سے ہر واقعہ اللہ کی مشیّت ہی کا ایک رخ ہے خواہ وہ انسانی نقطۂ نظر سے بہت قیمتی ہو یا معمولی، حسین ہو یا کریہہ النظر، بہترین ہو یا بدترین۔ مشیت الٰہی ہونے کے لحاظ سے ہر چیز اپنی جگہ صحیح، درست، مناسب، عمدہ اور حسین وجمیل ہے۔

اب ہم ایسے الفاظ پر گفتگو کرتے ہیں جو معنی اور مفہوم میں لفظ مشیّت کے قریب تر ہیں تاکہ قرآن مجید کی روشنی میں مشیّت کے مکمل مفہوم کی وضاحت ہو سکے۔

۸.۱.۱ منتزع مشیّت اور ارادہ

اکثر مشیّت اور ارادہ کو مترادف کی حیثیت دی جاتی ہے، قرآن مجید میں بھی ایسے کئی مقامات ہیں جہاں ایک ہی آیت میں یہ دونوں الفاظ مترادف کے بطور استعمال ہوئے ہیں۔ (۲:۲۵۳، ۱۷:۱۸، ۳۹:۴)۔ بعض آیتوں میں لفظ ارادہ استعمال ہوا ہے مگر

اس سے مشیّت کا مفہوم واضح ہوتا ہے (۱۶:۸۵،۱۷:۳۳،۱۱:۱۳)۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے جیسے مشیت اور ارادہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے یعنی ارادہ بھی مشیت کی طرح اٹل ہوتا ہے۔

البتہ بعض دوسری آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارادہ مشیّت کے مقابلے میں کم یقینی ہونے کا مفہوم رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مشیّت تو ہر حال میں پوری ہوکر رہتی ہے لیکن ارادہ کبھی تو مشیّت کی طرح پختہ ہوتا ہے اور کبھی مشروط۔ مشروط ارادے کی مثالیں ہم کو قرآن کی سورہ ۲ آیت ۱۸۵، سورہ ۴ آیت ۲۸، سورہ ۵ آیت ۶ / اور سورہ ۴۰ آیت ۳۱ میں ملتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی نہیں۔ اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، اللہ تم پر زندگی کو تنگ کرنا نہیں چاہتا۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ان تمام آیات میں دینی تعلیم اور شرعی احکام زیر بحث ہیں جو حقیقت یہ ہے کہ نرمی، سہولت اور آرام سے پُر ہیں اور ان تعلیمات پر چلنے سے انسانیت کو فائدہ ہوتا ہے۔ بہر حال شریعت کے ذریعہ انسانیت کو سہولت اور فائدہ پہنچانے کا ارادہ خود انسانوں کے شریعت پر چلنے سے مشروط ہے۔ اس ارادہ کو ہم معلّق یا مشروط ارادہ کہہ سکتے ہیں۔ امام راغب نے مشیّت اور ارادہ پر متکلمین کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے جس سے دونوں کے درمیان دقیق فرق واضح ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> اکثر متکلمین کے نزدیک مشیئۃ بالکل ارادۃ کی طرح ہے۔ اور بعض کے نزدیک مشیئۃ نام ہے اصل میں کسی شئ کے ایجاد کرنے اور چاہنے کا گو عرف میں اس کا استعمال ارادہ کی جگہ ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشیئۃ کے معنی ایجاد کرنے کے ہیں اور لوگوں کی طرف سے مشیّت کے معنی چاہنے کے ہیں۔ ان (متکلمین) کا بیان ہے کہ (کسی شئ سے متعلق) اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ اُس شئ کا وجود عمل میں آجائے۔ اور اللہ کے ارادہ کا ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ مراد لامحالہ وجود پذیر ہوکر ہی رہے، دیکھتے

نہیں ارشاد ہے **یُرِیدُ اللّٰہ بکم الیُسر ولا یرید بکم العسر** (اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری) اور **وَمَا اللّٰہُ یُرِیدُ ظُلماً للعباد** (اور اللہ بے انصافی نہیں چاہتا بندوں پر) حالانکہ یہ معلوم ہے کہ کبھی کبھی تنگی بھی ہوتی ہے اور لوگوں کے مابین ظلم بھی۔

انسانی ارادہ کبھی کبھی بغیر ارادۂ الٰہی کے بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انسان کا ارادہ ہوتا ہے کہ اسے موت نہ آئے اور اللہ اُس سے ابا فرماتا ہے۔ لیکن مشیّت انسانی بغیر مشیّت الٰہی کے وجود میں نہیں آتی کیونکہ ارشاد ہے **وَمَا تَشَآؤنَ الا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ العَالَمین** ۴۔

مشیت اور ارادہ کے درمیان ایک اور باریک فرق یہ ہے کہ قرآن کریم میں کُن فیکون، کل آٹھ مقامات میں سے چار مقامات پر قضٰی امر کے ساتھ، دو مقامات پر اَرَادَ کے ساتھ آیا ہے جب کہ شَآءَ کے ساتھ ''کُن فیکون'' کی کوئی مثال نہیں ملتی ۵۔ یعنی کُن فیکون کے مفہوم میں جو سرعت پائی جاتی ہے اس کو قضٰی اور ارادہ کے ساتھ تو جوڑا گیا ہے مگر شَآءَ کے ساتھ نہیں جوڑا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشیّت ایک مکمل منصوبہ ہے جب کہ قضٰی اور اَرَادَ اس منصوبے پر عمل درآمد کی طرف اشارہ کرتا ہے جب بھی اللہ کی نظر میں اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانا مناسب ہو۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے منصوبے (مشیت) پر عمل درآمد کا فیصلہ (قضٰی) اور ارادہ (اَرَادَ) کر لیتا ہے تو امر (کُن) کی قوت سے اس کو ظہور میں لے آتا ہے۔ البتہ اس قسم کی فوری فیصلے کے علاوہ لفظ اَرَادَ عمومی منصوبے (مشیت) کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

بہر حال فوری فیصلے 'جو عمومی منصوبے کے مطابق ہی ہوتا ہے' کی نشاندہی کے لئے ارادَ کا لفظ قضٰی کی طرح ہے جس کے ساتھ ''کُن فیکون'' استعمال ہوا ہے ۶۔ قضٰی کے معنی بالعموم فیصلہ کرنا، عزم کرنا اور کام کو مکمل کرنا ہوتے ہیں ۷۔ غرض مشیت،

اِرادہ اور قضٰی کے معنی میں دقیق فرق ہے مگر یہ ایک دوسرے کے بدل کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں البتہ ارادہ اور قضٰی مشیت سے قدرے مختلف ہونے کے باوجود مشیّت کا ہی جز ہیں۔ درج ذیل چارٹ کے ذریعہ ہم مشیّت، ارادہ اور قضٰی کے درمیان نسبت اور فرق کو سہولت کے لئے پیش کرتے ہیں۔

مشیت .... عمومی منصوبہ اور اس کے مطابق خصوصی فیصلے جنہیں ہمیشہ مکمل ہو کر رہنا ہے۔ مشیت میں ارادہ اور قضٰی بھی شامل ہے۔

ارادہ .... کے تین مفاہیم۔

۱۔ مشیت کا ہم معنی۔

۲۔ معلق یا مشروط ارادہ۔ یعنی وہ ارادہ جس کی تکمیل انسانی عمل کے ساتھ معلّق ہو۔

۳۔ منصوبے کے مطابق مخصوص فیصلہ۔

قضٰی ......۱۔ منصوبے کے مطابق مخصوص فیصلہ۔

۲۔ قطعی فیصلہ۔

۳۔ مکمل شدہ۔

مذکورہ الفاظ کے درمیان یکساں اور متفرق معنی کی تفہیم کے لئے اس سے بہتر تعمیم شاید اور کوئی نہ ہو۔ البتہ ہمیں احساس ہے کہ تعمیمات میں اکثر مسائل ہوتے ہیں اور ان کی دقیق تفصیلات میں ابہام پیدا ہوسکتا ہے۔ مثلاً سرِ دست ایک مسئلہ یہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ جب مشیّت ایسا عمومی منصوبہ اور خصوصی فیصلوں کا مجموعہ ہے جن کی تکمیل بہر حال ہوتی ہے تو اس میں مذکورہ بالا چارٹ کے مطابق ارادہ دوم کی کیونکر گنجائش نکل سکتی ہے جب کہ وہ انسانی عمل پر موقوف ہے۔ یہ کھلا ہوا تضاد معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اس تضاد کو یہ کہکر ختم کیا جاسکتا ہے کہ ارادہ دوم کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ کی یہ قطعی مشیّت ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کو آسان رکھتا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ذیل میں تصویراً سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

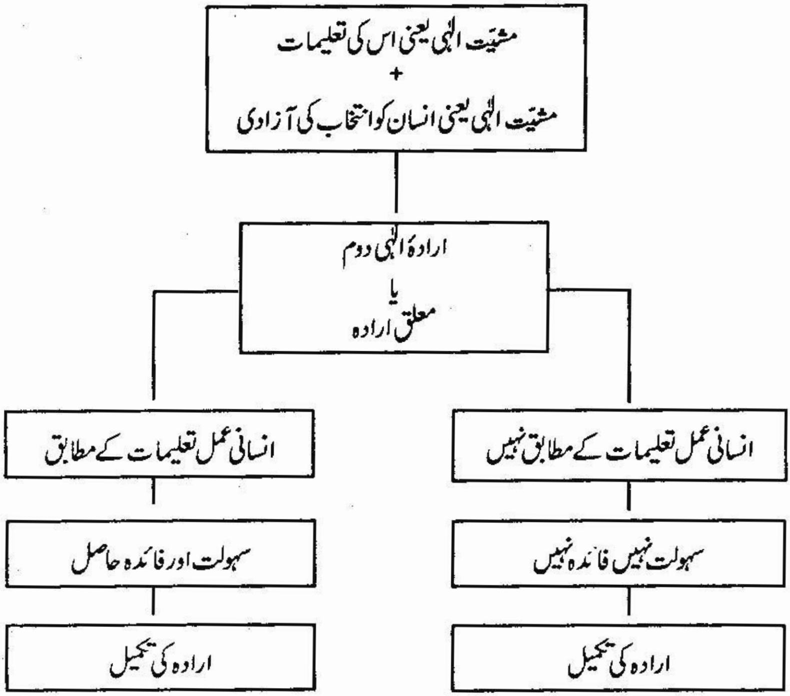

۹.۱.۱ منتزع مشیّت اور قضٰی

قضٰی کا لفظ خواہ اللہ کے تعلق سے بولا جائے یا انسان کے تعلق سے ہمیشہ فرمان، حکم، حرفِ آخر اور تکمیل کا مفہوم دیتا ہے۔ ہم نے اس لفظ کو اللہ کے تعلق سے اس مخصوص فیصلہ کے معنی میں لیا ہے جس کو بہر حال پایۂ تکمیل کو پہنچنا ہے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے قضٰی وہ مخصوص مشیّت ہے جس کو بہر حال مستقبل قریب یا بعید میں یا فوراً عمل میں آ جانا ہے یا پھر وہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ چاروں اقسام کی مثالیں قرآن میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ مستقبل بعید کے لیے۔

وإن منكم الا واردها كان على ربك حتماً مقضياً (مریم: ۷۱)

تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمّہ ہے۔

۲۔ مستقبل قریب کے لیے۔

قالَ کذالکِ قالَ ربّک هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ولِنَجْعَلَهُ آیة للنّاس وَرحمةً منّا و کانَ اَمْراً مقضِیاً (مریم: ۲۱)

ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت۔ اور کام ہو کر رہنا ہے۔

۳۔ فوری فیصلے کے لیے۔

بدیع السمٰوات والارضِ وَاِذا قضٰی اَمْراً فاِنّمایقولُ لَهُ کُنْ فیکون (بقرہ: ۱۱۷)

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لئے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

۴۔ تکمیل شدہ عمل کے لیے۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سمٰواتٍ فی یومینِ وَاَوحٰی فی کلِّ سمآءٍ اَمْرَهَا (حٰم سجدہ: ۱۲)

تب اس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنادئے اور ہر آسمان میں اُس کا قانون وحی کر دیا۔

۱.۱.۱۰۔ منتزع مشیت اور امر

عربی لغت میں امر کا لفظ حکم اور معاملہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ دونوں معنی میں خوب استعمال ہوا ہے۔ البتہ امر بمعنی حکم کی جمع اوامر ہوتی ہے جب کہ امر بمعنی معاملہ کی جمع امور ہوتی ہے۔ قرآن میں لفظ اوامر قطعی استعمال نہیں ہوا جب کہ امور کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس مقالے میں ہم اللہ کے اس امر سے بحث کر رہے ہیں جس کی جمع اوامر ہے۔ یہ امر ایک لحاظ سے ''کن'' کی طرح ہے کیونکہ 'کن' بھی ایک

طرح کا امر ہی ہے جو بالکل اسی طرح موثر ہوتا ہے جس طرح علّت اپنے معلول کے لیے موثر ہوتی ہے۔ اگر 'کن' یا امر کو علّت تصور کریں تو اس کا معلول یا تو کوئی نئی تخلیق ہوگی یا پہلے سے موجود مخلوق کے لئے کوئی ہدایت ہوگی۔

امر، ارادہ اور کن

اوّل الذکر کو تخلیق اور آخر الذکر کو تقدیر، تسخیر یا تدبیر کہتے ہیں۔ سورہ یٰس آیت ۸۱-۸۲ میں تخلیق، امر، ارادہ اور کن کو بہت بلیغ انداز میں ایک دوسرے سے اس طرح جوڑ دیا گیا ہے کہ اللہ کی مشیّت اور تخلیق علّت و معلول کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح سورہ الطلاق آیت ۳ (**ویرزُقْهُ من حیثُ لا یحتسب و من یتو کل علی اللّٰہِ فھو حسبهُ انَّ اللّٰہ بالغُ امرہ قدجعل اللّٰهُ لِکلّ شَیٍٔ قدراً**) میں امر کو تقدیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے امر مشیّئ سے کوئی تخلیق فرماتا ہے تو ساتھ اس کے تقدیر بھی متعین کرتا ہے۔ ایک اور قرآنی آیت میں اللہ کا فرمان ہے کہ ''اس نے بنایا، متوازن کیا، تقدیر بنائی اور ہدایت دی ۸۔ اجرام سماوی کی حرکتیں اور ان کے زبردست ریاضیاتی قوانین بھی تقدیر الٰہی ہیں ۹۔ سورہ حم السجدہ آیت ۱۲ کے مطابق ان قوانین اور دوسرے بہت سے سماوی ضابطوں کے لئے ''امر'' اور ''قدر'' کے الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں جس سے امر، تخلیق اور تقدیر کے درمیان رابطوں کا پتہ چلتا ہے۔

امر اور تسخیر

امر جیسا کہ ہم جانتے ہیں حکم کا مفہوم رکھتا ہے۔ اس کے بالمقابل تسخیر میں تصرف اور خدمت میں لگانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ قرآن کی روشنی میں تسخیر اللہ کا عمل ہے انسان کا نہیں جیسا کہ عصر حاضر میں مسلم سائنسدانوں کی اکثریت تصور کرتی ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے اپنے امر سے سورج، چاند، دن رات، سمندروں، جہازوں، اور زمین و

آسمان کی تمام اشیاء کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ یہ سب انسان کے لئے سود مند ہوگئی ہیں اور انسان ان سے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔[۱۰] آیات تسخیر کے مطابق تسخیر کے پیچھے اصل قوت امرالٰہی ہے۔ چنانچہ تسخیر بھی امر اور مشیت ہی کا ایک رخ ہے۔

امر اور تدبیر

قرآن کریم میں امر اور تدبیر پانچ مقامات پر ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ البتہ ایک مقام کے علاوہ ان تمام مواقع میں ''امر'' معاملہ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے حکم کے مفہوم میں نہیں۔ جب کہ اب تک ہماری بحث میں اسی مفہوم پر زور رہا ہے۔ ہمارے مفہوم سے متعلق آیت میں کہا گیا ہے **فالمدبراتِ امرا** (النازعات:۵)۔ اس آیت میں اللہ کے امر کی تکمیل میں ملائکہ کی تدبیرِ امر کا تذکرہ ہے۔ تاہم ملائکہ چونکہ اللہ کی مخصوص اور قوی مخلوق ہے جو اللہ کی مکمل تابعداری میں کچھ کام انجام دیتے ہیں اس لئے ان کی تدبیر در اصل اللہ کی تدبیر ہی کا ایک حصہ ہے کیونکہ وہ اللہ کے امر کے خلاف کچھ نہیں کرپاتے۔

امر بمعنی معاملہ (جمع امور) اور تدبیر جن آیات میں ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں اُن آیات میں کہا گیا ہے کہ اللہ وہ ہے جو تمام امور کا انتظام کرتا ہے جن میں مثلاً تخلیق و ہدایت[۱۱]، غذا کی فراہمی، زندگی اور موت کے امور[۱۲]، بغیر ستونوں کے آسمانوں کو بلند کرنا، سورج اور چاند کو مسخر کرنا تاکہ وہ متعین وقت تک حرکت کرتے رہیں[۱۳] شامل ہیں۔ مزید یہ کہ وہی زمین سے آسمان تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے اور ایک ہزار سال کی رپورٹ ایک یوم میں لے لیتا ہے۔[۱۴]

امر بمعنی حکم اور امر بمعنی معاملہ: کیا واقعی کوئی فرق ہے؟

امر کے دونوں مفاہیم کے درمیان فرق کی تحقیق بہت اہم ہے۔ انسانی نقطۂ نظر سے حکم اور معاملہ کے درمیان بہت اہم فرق ہے کیونکہ انسان کا ہر حکم ایک معاملہ تو ہے مگر اس کا ہر معاملہ کوئی حکم نہیں ہوتا۔ انسان کی ناکامی ظاہر ہے کہ اس کا ایک معاملہ ہے جب کہ وہ کوئی بھی حکم ناکام ہونے کی غرض سے نہیں دیتا۔ اس کے باوجود اس کے بہت

سے احکام بے اثر رہ جاتے ہیں۔ یہ یقیناً اس کا ایک معاملہ ہے جس پر اس کو ہمیشہ قدرت حاصل نہیں رہتی کہ وہ اس کو ہر حال میں اپنی مشیت کے مطابق مکمل کر لے۔ چنانچہ انسانی معاملات ہمیشہ اس کے احکام کے مطابق نہیں ہوتے۔ انسان کسی طور پر حکم دے مگر معاملہ کوئی اور رخ اختیار کر لے۔

اس صورتحال کے برخلاف اللہ کا امر دونوں مفاہیم میں اللہ کی مشیت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اب چونکہ اللہ کے تمام امور اس کی مشیت اور اس کے مطابق بعینہٖ پورے ہوتے ہیں اس لئے اللہ کے سلسلے میں امر (جمع اوامر) اور امر (جمع امور) کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن کی بہت سی آیات میں لفظ امر کو دونوں میں سے کسی بھی معنی میں لیا جائے پیغام ایک ہی رہتا ہے۔ مگر یہ اسی وقت درست ہے جب کہ امر مصدر کی شکل میں استعمال ہوا ہو۔ فعل کی شکل میں اس کے معنی صرف حکم ہوتے ہیں۔

خلاصۂ امر

اللہ کا امر (جمع اوامر) دراصل اللہ کی وہ قوت ہے جس سے اس کی منتزع مشیّت کی تکمیل ہوتی ہے۔ منتزع مشیت اور امر ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ اوّل الذکر خالص صفت ہے جب کہ آخر الذکر صفت ہونے کے ساتھ ساتھ عدم یا معمل مشیّت میں برسرِ عمل بھی رہتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر منتزع مشیت ایک منصوبہ ہے تو امر اس منصوبے کو خارج میں صورت پذیر کرنے کی قوت اور اہلیت ہے۔ چنانچہ امر ایک منصوبہ بند اور بامقصد قوتِ تخلیق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل کائنات بنیادی طور پر منصوبہ بند، بامقصد، اور مصنوع مشیّت ہے۔

امر بمعنی حکم کی تین قسمیں ہوسکتی ہیں۔ تخلیقی امر، تدبیری امر اور ہدایتی امر۔ تخلیقی اور تدبیری اوامر تو اللہ کی تخلیقی اور تدبیری قوتیں ہیں جن سے مذکورہ بالا ارادہ اوّل وسوم کی تکمیل ہوتی ہے۔ ہدایتی امر جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے انسانی اختیاری عمل کے مطابق موثر ہوتا ہے چنانچہ ہم امر کی تعریف مندرجہ ذیل طریقے پر کر سکتے ہیں۔

<u>اَمر محیط الکل منصوبہ بند تخلیقی اور تدبیری قوت اور ہدایتی اصول ہے</u>

۱.۱.۱۱ متنزع مشیت اور اذن

اذن کے مشہور معنی اجازت کے ہیں۔ البتہ یہ لفظ، امر، حکم، ارادہ اور مشیت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مولانا عبد الرشید کا دعویٰ ہے کہ اذن کبھی بھی مشیت کے مفہوم کے بغیر نہیں ہوتا ۱۵۔ اس لحاظ سے اذن امر کی طرح ہی ارادہ کی تکمیل کرنے والی معمول کی تخلیقی اور تدبیری قوت ہے۔ مگر اذن اس سے زائد بھی کوئی خصوصی قوت ہے جو پہلے سے موجود مصوَّر مشیّت کے تمام ظاہری تخالف کے باوجود ارادہ کو پورا کرتا ہے۔ معجزات اذن کی قوت ہی سے وجود میں آتے ہیں۔ چنانچہ اذن امر ہی کی طرح ہے اور خصوصی فراہمی بھی ہے۔ خصوصی فراہمی کے لحاظ سے یہ امر سے رخصت امر میں اضافۂ قوت، اور امر بالائے امر بھی ہے، ان تمام قسم کے معانی قرآنِ کریم کی درج ذیل آیات میں پائے جاتے ہیں۔

ا۔ اذن بمعنی امر

جبریل کا اللہ کے اذن سے رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل کرنا (البقرہ: ۹۷) جادو کے ذریعہ کسی کو نقصان اللہ کے اذن کے بغیر نہ پہنچنا (البقرہ: ۱۰۲) اور طیّب زمین میں اللہ کے اذن سے خوب پھل پھول آنا (الاعراف: ۵۸) ایسے معمول کے افعال ہیں جو فطرت میں عام طور پر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے مواقع میں اذن کا استعمال بمعنی امر ہی ہے یہاں تک کہ جو کام فرشتوں سے لیا جاتا ہے اس کے لئے بھی اذن کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ۱۶

۲۔ اذن بمعنی رخصت فی الامر

چاند، سورج ستارے اسی نے پیدا کئے اور یہ سب اسی کے امر کے تابع ہیں، خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے (الاعراف: ۵۴) اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا۔ (الحج: ۶۵)۔ ان آیات کے مطابق آسمانوں کی تخلیق و تسخیر اللہ کے امر سے ہیں اور اذن امر تسخیر کو رخصت دے دیتا ہے جس کے نتیجے میں اجرام سماوی زمین پر گر سکتے ہیں۔ البتہ یہ سوال حل طلب ہے کہ

آخر یہ رخصت عطا کس طرح کی جاتی ہے۔ بظاہر تو یہی مفہوم نکلتا ہے کہ جب کوئی جرم زمین پر گرتا ہے تو تسخیری امر کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ سائنسی نظریات کی روشنی میں تو یہ تاویل کی جاتی ہے کہ اجرام فلکی (شہابوں) کا زمین کی جانب گرنا خلا میں موجود کشش ثقل کی قوتوں کے درمیان تعامل و تصادم کا حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ طے کرنا باقی ہے کہ اذن (رخصت) مختلف زاویوں سے خلاء میں کام کرنے والی امر کی قوتوں کے درمیان ٹکراؤ کا راست نتیجہ ہے کہ بس آخر میں وہ ایک قوت باقی رہ جاتی ہو جو مائل بہ زمین ہو؟ یا یہ ایک خصوصی طور پر بہم پہنچائی گئی قوت ہے جو تصادم کی میزان کو زمین کی طرف یا کسی بھی سیارے کی طرف عملاً موڑ دیتی ہے اور شہاب وہاں جا گرتا ہے؟

اذن، امر کی قوت میں اضافہ

طالوت کی فوجوں کو جالوت کے مقابلے میں فتحیابی (البقرہ: ۲۴۹-۲۵۱) اذن کی وجہ سے ہوئی۔ طالوت کی ان فوجوں میں کمزوری پیدا ہو جانا جنہوں نے اچھی طرح پانی پی لیا تھا امرِ تخلیقی کی وجہ سے ہوا کیونکہ طویل سفر کے بعد بیک وقت زیادہ پانی پی لینے سے اکثر یہی ہوتا ہے۔ البتہ جن لوگوں نے پانی نہیں پیا ان کو اذن کے ذریعہ مدد ملی جو اُس امر کی قوت سے زائد تھی جس کا انہوں نے پانی نہ پی کر تحفظ کیا تھا۔ بدر میں بھی مومنین کو اللہ نے مدد دی کیونکہ اس کا ارادہ کافروں کی جڑ کاٹنے کا ہو گیا تھا۔ ۱۷ ایسا اس لئے ہوا کہ اللہ کو اپنے امر کی تکمیل کرنی تھی۔ ۱۸ دونوں کو دکھایا گیا کہ مدِّ مقابل کم تعداد میں ہے ۱۹۔ فرشتوں کے ذریعہ خصوصی مدد پہنچی ۲۰، بلکہ ایک طرح کی نیند اور بارش بھی مددگار ثابت ہوئی ۲۱۔ اور یہ سب اللہ کے اذن سے ہوا۔ اسی قسم کی مدد احد کے دن بھی آئی حتّٰی کہ ایک غلطی اور حکم عدولی کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے اٹھالی گئی۔ ۲۲

مقالے کے اس جُزء میں پیش کردہ آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اذن اوّل تو اللہ کے تخلیقی امر سے متعلق ہوتا ہے۔ صبر، ثبات، پانی نہ پینا، میدانِ جنگ میں متعین کردہ جگہ اور حکم سے فرار نہ کرنا، یہ تمام ہدایات ان امور سے متعلق ہیں جن کا سلسلہ تخلیقی

امور سے جاملتا ہے۔ یہ تمام ہدایات جنگی قوت کو بحال رکھنے سے متعلق ہیں جو بذاتِ خود انسانی فطرت یا دوسرے الفاظ میں مشیت بصورت انسان کا ایک رخ ہیں۔ چنانچہ یہ مومنین اور غیر مومنین کے لئے برابر طور پر اہم ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس طرح کے تخلیقی امر سے غیر مومنین بھی مسلح تھے۔ فرض کئے لیتے ہیں کہ اس تخلیقی امر کے اعتبار سے دونوں گروہ برابر طور پر مسلح تھے، یعنی دونوں گروہوں میں برابر کا صبر و ثبات، نظم اور حکمت عملی تھی تاہم تینوں ہی جنگوں میں مومنین نفری اور آلاتِ حرب کے لحاظ سے بہت کمزور تھے۔ اس کے باوجود وہ اللہ کے اذن سے فتحیاب ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مومنین کو پہلے تو اپنے آپ کو مشیت یعنی تخلیقی امر کے مطابق تیار ہونے کی تعلیم دی گئی۔ دوسری طرف دشمنوں نے بھی اپنے علم اور اپنی سمجھ کے مطابق یہی کیا۔ جب دونوں قوتوں کے درمیان جنگ ہوئی تو حقیقتاً تخلیقی امر کے دو زُمرے آپس میں ٹکرائے جس میں اذن کی ایک زائد قوت نے حصہ لے کر پانسہ مؤمن زُمرے کے حق میں بدل دیا۔ چنانچہ مومنین کی فتح کی شکل میں بحیثیت مجموعی مشیت ظہور پذیر ہوگئی۔ اب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اذن کبھی کبھی امر کے لئے ایک زائد قوت ہوتا ہے اور انجام محض دو اُمور کے درمیان تعامل کا حاصل نہیں ہوتا بلکہ خارج سے اذن کی قوت فراہم کر کے میزان کو کسی ایک سمت میں عملاً جُھکا دیا جاتا ہے۔ فطری مظاہر میں بھی یہ حقیقت کارفرما ہوسکتی ہے۔

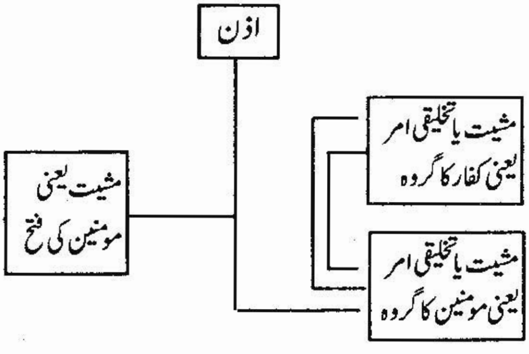

تصویر ۲/ مشیت کے دو زمروں میں تعامل کے دوران اذن کی حصہ داری۔

اذن، امر بالائے امر

بعض اوقات پہلے سے قائم مشیت کے تمام تر تقاضوں کے برخلاف اذن کامیابی کے ساتھ عمل درآمد کرتا ہے۔ ایسے مواقع پر اذن اصل میں امر بالائے امر ہوتا ہے۔ یہ مشیّت کے نظام میں شامل تمام اوامر سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ انسانی اصطلاح میں ایسے واقعات کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ لیکن قرآن ان کو آیات، بیّنات اور سلطان جیسے الفاظ سے ظاہر کرتا ہے۔ بنیادی طور پر معجزات اللہ کی مشیّت اور ارادہ ہی ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ مشیت معمول بہ اور پہلے سے قائم مشیت کے نظام پر چھا جاتی ہے جس کو انسان اپنی عادت کے مطابق ناممکن سمجھتا ہے تو یہ کائنات میں ایک عظیم قوت کے عمل دخل کی علامت بن جاتی ہے۔ یہ اُن منتخب بندوں کے حق میں مددگار ہوتی ہے جن کے ہاتھ پر معجزات وجود میں آتے ہیں۔ مگر معجزات اذن کی عظیم قوت کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتے۔

۱. وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰه (الرعد : ۳۸)	اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی خود لا دکھاتا۔
۲. وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ فَاِذَا جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ (المومن : ۷۸)	کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر خود کوئی نشانی لے آتا۔ پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا آیات کے مطابق رسول صرف اللہ کے اذن سے ہی معجزہ دکھا سکتا ہے۔ دوسری آیت میں اذن کے لئے امر کا صیغہ بھی استعمال کر لیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اذن اصل میں امر ہی ہے۔ ایک ایسا امر جو پہلے سے قائم اوامر کو معطل کر کے اپنی تاثیر دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ کسی شخص کے رسول ہونے کی صریح علامت بن جاتا ہے۔ قرآن میں دوسرے بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰؑ، سلیمانؑ اور عیسیٰؑ کے معجزات کے تذکروں میں اذن کے تعلق کو ابھارا گیا ہے[۲۳] ان تمام واقعات کا تعلق بالائے طبیعی امور سے ہے

اور یہ واقعات علی العموم نہیں ہوتے بلکہ خاص مواقع پر ہی ہوتے ہیں۔

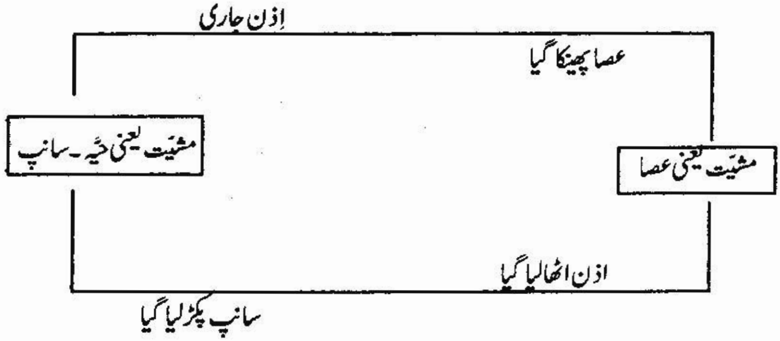

تصویر۳/معجزات کی مثال مشیت واذن کی روشنی میں

۱۲۔ معمل مشیت ،عدم یا خلاء

ابتدا میں ہم نے نظام مشیت کی تین قسمیں بیان کی تھیں۔ان میں سے پہلی قسم یعنی منترع مشیت کو قرآن کی روشنی میں پیش کرنے کے بعد اب ہم مشیت کی دوسری قسم معمل مشیت کی وضاحت کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ معمل مشیت کوئی چیز نہیں ہوسکتی کیونکہ چیزیں اللہ جل جلالہٗ کے قرب میں اپنی ہیئت پر برقرار نہیں رہ سکتیں۔ چیزیں صرف عظیم خلاء میں سلامت رہ سکتی ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے مناسب فاصلے پر قائم رہ سکیں۔ یہ خلاء تخلیق کی ابتدا کے لئے بھی اتنا ہی ضروری تھا جتنا کہ آج ضروری ہے تاکہ اشیاء اللہ کی تجلّیات قاہرہ سے ایک خاص فاصلے پر قائم رہ سکیں۔ یقیناً اشیاء کے وجود و بقا کے لئے یہ ضروری فراہمی اللہ ہی کے فضل سے ہوئی۔ چنانچہ اللہ کی مشیت کا پہلا اظہار عظیم خلاء کی شکل میں ہوا جو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات میں فراہم کیا تاکہ اس میں اپنی مشیت کو مصنوع کرے، اس طرح خلاء نہ صرف یہ کہ معمل مشیت یعنی اللہ کی عمل گاہ ہے بلکہ یہ ضروری مشیت بھی

ہے اور عدم بھی۔

ضروری معمل مشیّت کے لئے عدم کی اصطلاح سے غلط فہمی ہوسکتی ہے کیونکہ جب یہ ایک مرتبہ وجود میں آ گیا تو اس کو چیز کا نام تو ملنا ہی چاہیئے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص عدم کو اس مخصوص معنی میں کوئی چیز کہتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس صورت میں ہم یہ کہیں گے کہ بذات خود ایک چیز ہونے کے باوجود خود اس میں ابتداءً کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ حتّٰی کہ آج جب کہ یہ عظیم کائنات کی بہت سی مصنوعات سے بھر دیا گیا ہے اس کا عظیم تر حصہ اب بھی خالی ہے۔ اس تفہیم سے خلاء کے مطلق ہونے کا اشارہ ملتا ہے جس کے لئے عدم کی اصطلاح ہی مناسب ہے۔ اور یہی عدم اللہ کا عرش ابتدا میں بھی تھا اور آج بھی ہے۔ چنانچہ عدم، خلاء، معمل مشیّت، عرش ایک ہی ضرورت کے مختلف نام ہیں۔ یہی ضروری، معمل مشیّت یا عدم بیک وقت اللہ کی قلمرو بھی ہے اور اس کا عرش بھی۔

۱-۳۔ مصنوع مشیّت

منتزع مشیّت کے بارے میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خالص صفت ہے اور بالائے تخلیق ہے۔ شَاءَ، اَرادَ، قضٰی، امر، اذن وغیرہ الفاظ جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اللہ کی منتزع، مجرد اور مطلق صفات و کمالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ اس معنی میں ذہنی ہیں کہ اللہ کی ذات سے باہر ان کا علیحدہ کوئی وجود نہیں۔ البتہ خارجی مصنوعات جو دراصل اللہ کی منتزع مشیّت کا اپنی معمل مشیّت یا عدم میں اظہار ہیں، اللہ کی ذات سے الگ عدم میں موجود ہیں۔ اللہ اپنے امر اور اذن کی قوت سے اپنی معمِل مشیّت (عدم) میں جو کچھ چاہتا ہے بناتا اور کرتا ہے۔ اس طرح تخلیق سے پہلے کی مشیّت یا دوسرے الفاظ میں تخلیق کی سطح سے بلند تر جو مشیّت ہے وہ منتزع مشیّت ہے اور معمل مشیّت (عدم) میں ظاہر ہونے والی تخلیقات مصنوع مشیّت ہیں جو مخلوق بھی ہیں اور حادث بھی۔ چنانچہ ہم اُن کو مخلوقاتِ الٰہیہ کے نام سے جانتے ہیں جو غیر مادّی بھی ہوسکتی ہیں اور مادّی بھی۔

مخلوقات میں بھی دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ایک وہ جن کی اپنی کوئی مشیت نہیں ہوتی اور وہ انتخاب کی دولت سے بہرور نہیں ہوتیں۔ چنانچہ براہ راست اللہ کی مشیت کے تابع ہوتی ہیں۔ان مخلوقات میں ایک طرف غیر مادّی اشیاء اور ملائکہ شامل ہیں تو دوسری طرف مادّی چیزوں میں جمادات، نباتات اور حیوانات۔البتہ جنوں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے فرداً فرداً ان کی اپنی مشیّت اور ارادے سے نوازا ہے۔وہ کئی ممکنات میں سے کسی ایک کو اپنے لئے پسند کرنے، حاصل کرنے، استعمال میں لانے اور اپنی ملک میں رکھنے کے انتخاب کی آزادی سے سرشار کئے گئے ہیں۔ حالانکہ ان مخلوقات کے وجود کا خاصا بڑا حصہ اُسی مشیّت کا پابند ہوتا ہے جو پوری کائنات اور خود ان کے وجود میں ہر وقت کارفرما ہے اور جس میں جنّ و انس اسی طرح مجبورِ محض ہیں جس طرح جمادات وغیرہ مگر انتخاب کے میدان میں وہ مجبورِ محض نہیں ہوتے۔

۱.۴ شارع مشیّت یا نظام رضا

جنّ و انس کو انتخاب کے عمل سے گذرتے ہوئے مدد پہونچانے کے لئے ایک طرف تو عقل دی گئی ہے اور دوسری طرف وحی و رسالت کے ذریعہ ہدایت بھی فراہم کی گئی تا کہ انتخاب میں توازن قائم رہے اور وہ سلامتی کا راستہ چن سکیں۔وحی کے ذریعہ ہدایت کا نظام برپا کرنا دراصل مشیّت الٰہی کی تیسری سطح ہے جس کو ہم شارع مشیّت کہہ سکتے ہیں۔ اب چونکہ شارع مشیت کو تسلیم کرنے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھالنے کی کوشش کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لئے اس نظام مشئیت کو نظامِ رضا بھی کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ خلاصۂ بحث

ہم نے اب تک جو گفتگو کی ہے اس کے خلاصے اور ایک نظر میں اس کو سمجھنے کے لئے تصویر ۱ کی مدد لیتے ہیں۔

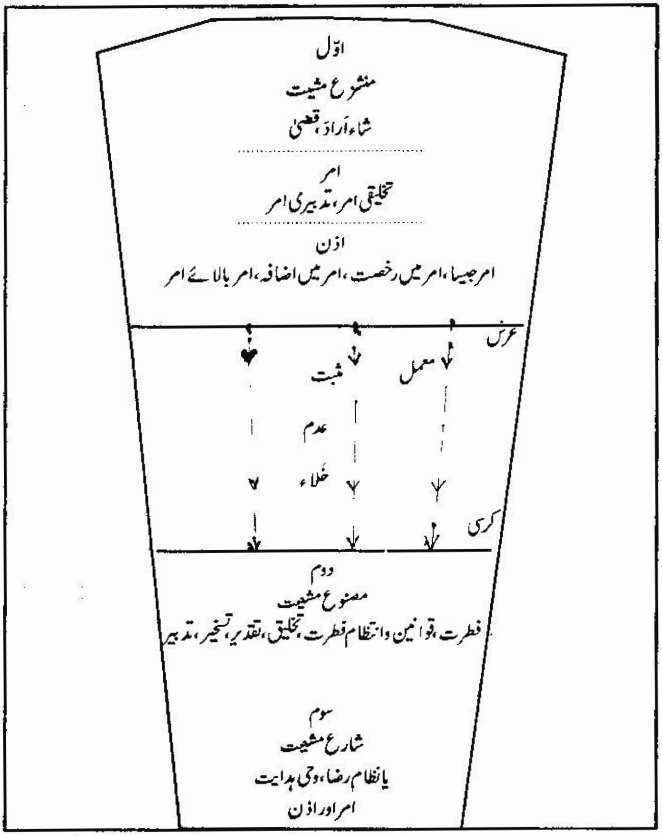

تصویر نمبر ۴، نظام مشیت و رضا کا نقشہ

اس تصویر کو نامکمل دائرے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ اس کو مکمل دائرہ تصور کریں۔ اس دائرے کے محیط پر اللہ تعالیٰ کی لامحدود مشیّت کو دکھایا گیا ہے یہ مشیت الٰہی کا اوّلین درجہ ہے جو دراصل اللہ کی صفت ہے اور اسی لحاظ سے منتزع، مجرد اور مطلق ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کو شآء، اراد، امر، اذن اور قضٰی جیسے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ اگر دقیق نظر سے دیکھا جائے تو اللہ کی منتزع مشیّت کے بھی تین پہلو ہیں۔ ایک وہ پہلو جس کو شاءَ، ارادَ اور قضٰی جیسے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ دوسرے دو پہلو امر اور اذن ہیں جو مشیّت کے اظہار کی قدرت کاملہ سے تعبیر ہیں۔ امر تخلیقی بھی ہوتا ہے اور تدبیری بھی۔ البتہ قرآن میں اذن کبھی تو صرف امر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی امر سے مختلف

معنی میں۔ اس دوسری حیثیت میں کبھی تو اذن امر کو رُخصت کر دیتا ہے، کبھی یہ امر کی قوت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اور کبھی یہ امر بالائے امر ہوتا ہے۔

دوسرے دائرے میں خالی جگہ ہے جو عدم کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ عدم، تخلیق کے وجود میں آنے سے پہلے انتہائی مرکز تک عدم ہی تھا جو بیک وقت اللہ کا عرش بھی تھا اور اس کی قلمرو بھی۔ آج بھی جب کہ مرکز میں تیسرا دائرہ وجود میں آچکا ہے یہ اس کی قلمرو ہے۔ اللہ کی قلمرو ہونے کی نسبت ہی سے ہم نے اس کو معمل مشیت کا نام دیا ہے۔ البتہ موجودہ صورتحال میں یہ قلمرو بیرونی اور مرکزی حصّوں میں منقسم ہے۔ بیرونی حصہ آج بھی عدم ہی ہے جس کے مزید بیرونی اور اندرونی حصّوں کو علی الترتیب عرش و کرسی کہہ سکتے ہیں۔

تیسرا دائرہ دراصل مرکزی دائرہ ہے جس میں اللہ کی مشیّت کا سطحِ دوم پر متشکل اظہار ہوتا ہے۔ اس کو ہم نے مصنوع مشیت کا نام دیا ہے۔ اسی پر فطرت، قوانین و نظامِ فطرت، تخلیق، تقدیر، تسخیر، تدبیر وغیرہ الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی مصنوع مشیت کے ایک چھوٹے سے مگر ذی ارادہ مخلوق کے لئے بہت اہم حصے میں تیسرے درجے کی مشیّت یعنی شارع مشیّت کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا دوسرا نام نظام رضا ہے اور جس میں وحی، ہدایت، شرعی امر، قضی اور اذن شامل ہیں۔ اس طرح کل کائنات کی تفہیم نظام مشیّت ورضا کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ اس تفہیم کو نظریہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مقابلے میں نظریۂ وحدۃ المشیّت بھی کہا جاسکتا ہے۔ اوّل الذکر دونوں نظریے ہمارے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔

۲۔ مشیّت امر اور روح

مشیّت اور امر سے متعلق ہم مفصّل گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ہم امر اور روح کے درمیان تعلق، روح کے تصور اور اس کی اقسام پر بحث کرتے ہیں۔

۲۔ا۔ روح کیا ہے

روح اصل میں کیا ہے اس کے بارے میں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ امرِ الٰہی سے ہے۔

ویسئلونکَ عنِ الروح قلِ الروح من امر ربّی وما اوتیتم من العلم الاّ قلیلاً (بنی اسرائیل : ۸۵)	آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے تم کو علم کم ہی دیا گیا ہے۔

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک مطلب تو یہ کہ امر کی بہت سی قسموں میں سے ایک قسم روح ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ روح اللہ کے امر سے وجود میں آتی ہے۔ ہم دونوں مطالب کو ساتھ ملا کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ روح اللہ کے اوامر میں سے ایک خاص امر بھی ہے اور اس امر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کوئی لطیف شیَ بھی ہے۔ گو ہم اس لطیف شیَ کی کنہ تک تو نہیں پہنچ سکتے لیکن قرآنِ کریم میں اس لفظ کے استعمالات سے کسی حد تک یہ اندازہ ضرور کر سکتے ہیں کہ روح ایک مخصوص قسم کا امر ہے۔ قرآنِ کریم میں لفظ روح چھ مختلف سیاقوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ اللہ کی مہربانی اور اس کی مدد کے لئے [۲۴]

۲۔ وحی [۲۵]

۳۔ جبرئیلؑ [۲۶]

۴۔ مریم عذرا کے بطن میں پھونکی گئی کوئی شیَ [۲۷]

۵۔ آدم علیہ السلام کے جسد میں پھونکی گئی کوئی شیَ [۲۸]

۶۔ امر کے عام معنی میں۔ [۲۹]

سیاق اوّل و دوم کو ملانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحی کے لئے روح کا لفظ اللہ کی مہربانی کا مفہوم دیتا ہے۔ یہی وحی ایک مخصوص معنی میں انسان کے لئے مخصوص قسم کی زندگی کا سبب بھی ہوتی ہے۔ یعنی ہدایت، صحیح سوچ اور بلند مقاصد عطا کر کے وحی انسان کے حق میں بطورِ خاص زندگی کا سبب بنتی ہے اور انسان کو بطور خاص قوت عطا کرتی ہے۔

تیسرے چوتھے اور پانچویں سیاق میں روح کا کسی زندہ شیَ جبرئیل۔ مریم اور آدم سے تعلق کا پتہ چلتا ہے جب کہ یہ زندہ اشیاء اللہ کی بہت خاص مخلوقات ہیں جن کو مخصوص طریقے سے وجود بخشا گیا ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ اشیاء کی تخلیق سے متعلق

لفظ روح کا استعمال مخصوص طریقِ تخلیق کی وجہ سے کیا گیا ہو۔ حضرت آدمؑ کی خصوصی تخلیق مٹی سے اور حضرت عیسیٰؑ کی خصوصی تخلیق بغیر باپ کے تو معلوم ہی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں ہم آگے وضاحت کریں گے ان کے لئے روح کا لفظ کس بنا پر خاص ہے۔ ان مواقع پر لفظ روحی، اور روحنا بھی اس اہمیت اور خصوصیت کے طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جبرئیلؑ بھی اس معنی میں بہت اہم ہیں کہ وہ تمام ملائکہ سے زیادہ قوی ہیں اور ان کی تمام فرشتے اطاعت کرتے ہیں ۳۰ آدم و عیسیٰ علیہما السلام کی تخلیق کے لئے عین ممکن ہے کہ اللہ نے اپنے مخصوص امر سے مخصوص روح بنا کر ان میں پھونکی ہو۔ اسی طرح یہ عین ممکن ہے کہ جب صرف عدم تھا تو مخصوص امر (روح) کے ذریعہ مخصوص تخلیق یعنی کائناتی روح بنا کر عدم میں پھونک دی گئی ہو جس نے دنیا کی تخلیق کے لئے ابتدائی جرم کا کام دیا ہو۔ ہمارا یقین ہے کہ کائناتی روح کائنات کی ہر زندہ و مردہ چیز میں پائی جاتی ہے دراصل چیزیں کائناتی روح سے بنی ہیں اور کائناتی روح ہی کے سمندر میں معلق ہیں۔ چنانچہ یہ پوری کائنات بحیثیت مجموعی ایک زندہ شئ ہے اور روح کے ذریعہ مربوط ہے جو آخری تجزیے کے طور پر اللہ کا امر ہے یا اس کے امر سے ہے۔

۲.۲ امر سے روح تک

ہم کو چونکہ نہ تو امر کی کنہ کا پتہ ہے اور نہ ہی ہم روح کی کنہ سے واقف ہیں اس لئے امر سے روح تک کی تبدیلی بھی ہمارے لئے غیب میں ہے۔ غالباً مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی مندرجہ ذیل وضاحت اس سلسلے میں کافی ہوگی۔ انہوں نے انسانی روح پر گفتگو کی ہے مگر جو حکم انسانی روح پر جاری ہوتا ہے وہی کائناتی روح کی تفہیم میں بھی مددگار ہوگا۔

> "عین ممکن ہے کہ قادرِ مطلق اور مصورِ برحق جلّ وعلا کا امرِ بے کیف (کن) باوجود صفتِ قائمہ بذاتہٖ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔ وہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں

اور ''امر الٰہی'' بحالہ قدیم رہے، امکان و حدوث کے آثار و احکام
ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور ''امرِ الٰہی'' ان سے پاک و برتر رہے''[۱۳]

۲.۳.۲ کائناتی روح سے سماوات وارض تک

جس طرح امر سے روح تک کا سفر نا معلوم ہے اسی طرح روح کے غیر مادّی اور مادّی شکلوں میں تبدیلی کا عمل بھی نا معلوم ہے۔ البتہ اوّل الذکر کے مقابلے میں ثانی الذکر ایک لحاظ سے مختلف ہے۔ مذکورِ اوّل میں امر اور روح دونوں ہی نا قابل مفہوم ہیں جب کہ مذکور دوم میں کم از کم ایک سمت یعنی مخلوق کی موجودہ شکلیں قابلِ فہم بھی ہیں اور کسی حد تک معلوم بھی۔ چنانچہ اگر ہم کثیف ترین شئ یعنی مادہ سے ابتدا کرتے ہوئے پیچھے کی طرف لطیف ترین شئے یعنی روح کی طرف سفر کریں تو واقعات کے سلسلے کو مکمل کرنے کے لئے خالی جگہوں کو کسی طرح بھر سکتے ہیں۔ یا اس کے برخلاف لطیف ترین روح سے ابتدا کرتے ہوئے نور، نار اور مادّہ کی طرف درجہ بدرجہ سلسلہ جوڑ سکتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ روح لطیف تر ہے، نور اس سے کثیف، نار اور بھی کثیف اور مادّہ سب سے زیادہ کثیف ہے۔ سائنسی تجربات کی روشنی میں ہم جانتے ہیں کہ مادّہ دراصل قوت ہی ہے جو کسی طرح ایٹمی ذرّات کی شکل اختیار کرتی ہوئی مختلف قسم کے ایٹموں کی ترکیب کا باعث ہوتی ہے اور مادّی عناصر کو جنم دیتی ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مادّہ ٹوٹ کر نار اور نور میں بدلتا ہے اور جلنے کے عمل میں کثیف اشیا لطیف اشیا کی صورت اختیار کر لیتی ہیں جب کہ ٹھنڈ پانے پر لطیف اشیاء پھر کثیف ہو جاتی ہیں۔ دباؤ کا بھی اسی طرح کا اثر ہوتا ہے۔ پانی ٹھنڈا ہونے پر سخت برف بن جاتا ہے اور گرم ہونے پر بھاپ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر گیس کو دبایا جائے تو وہ تکثیف کے ذریعہ رقیق کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ کثافتیں حرارت اور دباؤ کے اثر سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ اجرامِ سماوی متواتر دَوری حرکت میں ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ اوّلین مخلوق یعنی کائناتی روح کے لطیف تر کرہ کو ترچھے دباؤ کے

ذریعہ عملِ تکثیف سے گذارا گیا ہوگا جس کی وجہ سے اس کرہ میں بہ یک وقت دَوری حرکت اور کثافت کا عمل واقع ہوا۔ نتیجتاً نور، نار اور مادّہ وجود میں آئے اور کائناتی روح کے بھونروں میں گردش کرنے لگے۔ مادّے کے ابتدائی ذرّات ایک دوسرے سے مختلف اشکال میں اللہ کے منصوبے کے تحت ملنے لگے اور عناصر وجود میں آ گئے۔ کائناتی درجہ حرارت بلند ہونے کی وجہ سے جلنے والے عناصر آکسیجن کی موجودگی میں جلنے لگے۔ پہلا کیمیائی ردّعمل ہائڈروجن اور آکسیجن کے درمیان ہوا جس سے پانی بنا اور درجہ حرارت بلند ہونے کی وجہ سے بھاپ کی شکل میں رہا اور کائناتی روح کے بھونری اثر سے وہ کرہٗ روح کے کناروں کی طرف منتقل ہوگیا۔ چنانچہ پانی کی بڑی مقدار عرش و کرسی کے نیچے جمع ہوگئی۔

وھو الّذی خلق السمٰوٰتِ	اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین
والارضَ فی ستةِ ایّامٍ وّکان	کو چھ دنوں میں پیدا کیا جب کہ اُس
عرشهُ علی المآءِ (ھود : ۷)	سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔

اس تفہیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے تخلیقی امر سے کائناتی روح بنائی جس میں بے شمار امکانات رکھے۔ دوسرا امر تدبیری تھا جس نے اصلاً قوت تکثیف کی حیثیت سے کام کیا لیکن اس میں تخلیقی مضمرات بھی شامل تھے، انہیں مضمرات میں سات آسمانوں کی تخلیق بھی شامل ہے۔ کائناتی روح کے امکانات کو نار، نور اور مادّہ کی سطح پر طبیعی، کیمیاوی اور حیاتیاتی مطالعات کے ذریعہ کافی کچھ سمجھا جا سکتا ہے، مگر یہ امکانات ہماری محسوسات کی دنیا تک محدود نہیں ہیں۔

۴.۲ روح اور زندگی

مذکورہ گفتگو سے واضح ہوگیا کہ نور، نار اور مادہ کائناتی روح کے مکشوفات ہیں جو کائناتی روح کے اس بہت بڑے کرہٗ میں معلّق اور گردش میں ہیں جو اَب بھی اپنی اصل پر قائم ہے۔ ابھی یہ سب بغیر زندگی کے ہیں۔ البتہ جب ان کو ایک مخصوص ترتیب دے دی جاتی ہے تو ان میں زندگی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس ترتیب کے لئے ایک خاص تخلیقی امر

دیا جاتا ہے۔ یہی وہ حیاتی امر ہے جو زندگی کی روح کے نام سے مشہور ہے۔ اس حیاتی امر یا حیاتی روح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کائناتی روح کے مختلف مدارج میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ جبرئیلؑ جن کا دوسرا نام روح اور روح القدس ہے کائناتی روح کے ایک حصّے میں حیاتی امر یا حیاتی روح کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔ اس کو روح یا روح القدس اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کی اصل کائناتی روح ہے جس میں روح حیات ڈال دی گئی ہے۔ باقی ملائکہ کو ناقابلِ مشاہدہ نور میں روحِ حیات ڈال کر پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کی اصل نور ہے۳۲۔ جنّات کو جن کی اصل نار ہے، نار میں روح حیات ڈال کر بنایا گیا ہے۔ درختوں حیوانوں اور انسانوں کو جن کی اصل مادّہ ہے، مادّے میں روح حیات ڈال کر بنایا گیا ہے۔

۵.۲ جواب دہ اور ذمہ دار روح

البتہ وہ مخلوقات جن کو اختیار وارادہ سے نوازا گیا ہے اور جو صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کر کے دونوں میں سے کسی کو اختیار کر سکتے ہیں ان کو ایک اور روح دی گئی ہے۔ ہم اس کو ذمہ دار یا جوابدہ روح کہتے ہیں۔ یہ روح خالق اور مخلوق کے درمیان شعوری تعلق کا لطیف ذریعہ ہے۔ ہمارے علم میں اس قسم کی صرف دو مخلوقات جن وانس ہیں۔ ان کا امتحان اسی میں ہے کہ وہ اپنی مادّی بنیادی ضروریات ہی کی طرف تمامتر جھکے رہتے ہیں یا اُن ضروریات کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں جو ان کو وحی کے ذریعہ بتائی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہم روح کی تین قسمیں کر سکتے ہیں۔

۱۔ کائناتی روح

۲۔ حیاتی امر یا حیاتی روح

۳۔ جواب دہ یا ذمہ دار روح

کائناتی روح ہر شئ میں موجود ہے کیونکہ اشیاء بنیادی طور پر کائناتی روح کی مکثوفات ہی ہیں۔ البتہ اب یہ کم از کم چار شکلوں میں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ کائناتی روح بحالتِ اصل...... کائناتی روح کے کرہ کا بہت بڑا حصہ اب بھی

اپنی اصل حالت میں ہے۔جس میں خود اس کے مکشوفات قائم ہیں۔

۲۔نور: اس حد تک تکثیف زدہ کائناتی روح کہ نور وجود میں آ گیا۔

۳۔نار: اس حد تک تکثیف زدہ کائناتی روح کہ نار وجود میں آ گئی۔

۴۔مادّہ: اس حد تک تکثیف زدہ کائناتی روح کہ مادہ وجود میں آ گیا۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ جدول ۱ میں پیش کرتے ہیں۔اس جدول کے مطابق پہلے تخلیقی امر سے کائناتی روح وجود میں آئی۔دوسرا امر تدبیری بھی تھا اور تخلیقی بھی۔اس امر کے ذریعہ کائناتی روح کی تکثیف کی گئی۔چنانچہ کائناتی روح کے اندر نور، نار اور مادّہ ظاہر ہوگیا جب کہ اس کا بہت بڑا حصہ اب بھی اپنی اصل حالت پر باقی رہا۔کائناتی روح کی ہر حالت کے کچھ جُز کو امر حیاتی یا روحِ حیاتی

جدول ۱ امر الٰہی، روح کی مختلف شکلیں اور حیات

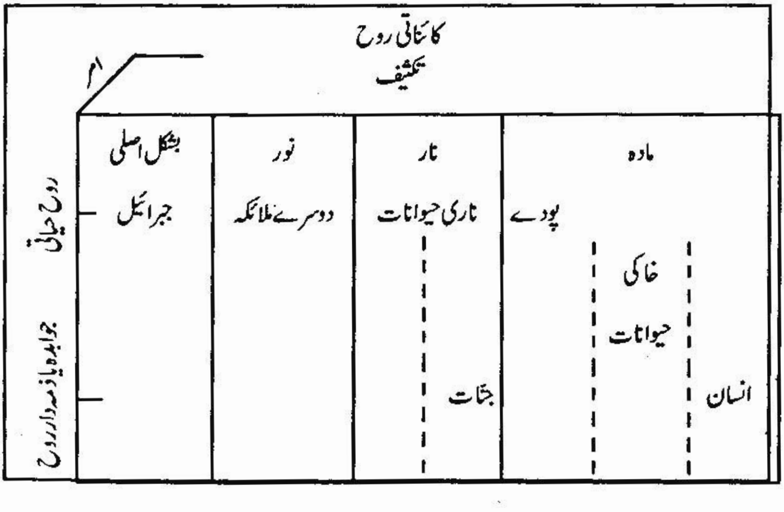

کے ذریعہ مخصوص ترتیب دے کر جبرئیل، دوسرے فرشتے، ناری جاندار اور مادّی جاندار پیدا کئے گئے۔اب ایک اور قسم کی روح پیدا کی گئی جس کا نام جوابدہ یا ذمہ دار روح ہے جو ہر جوابدہ ناری مخلوق یعنی جنات اور جوابدہ مادّی مخلوق یعنی انسان کے لئے خاص تھی۔یہ روح اپنے رب سے ہدایات وصول کرتی ہے اور جسد کی طرف اس ہدایت کو منتقل کرتی ہے

تا کہ وہ اپنے لئے زندگی کی راہ چن سکے۔ عہد الست میں اسی روح سے عہد کا تذکرہ ہے اور یہ جوابدہ شخص کی ذمہ داری میں حصہ بٹاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو انعام اور سزا دونوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ موت کے وقت امر حیاتی یا روحِ حیاتی کو کھینچ لیا جاتا ہے۔ اس سے ہر زندہ چیز کو درد کا احساس ہوتا ہے۔ البتہ مومنین و صالحین کے لئے اس درد میں کمی کردی جاتی ہے جب کہ کفار و غیر صالحین کے لئے اس میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔ موت کے وقت جوابدہ روح کو بھی کھینچا جاتا ہے جس کا اس کو بھی درد ہوتا ہے۔ اس روح کو برزخ میں رکھا جاتا ہے جہاں وہ کسی شخص کے جسد میں داخل کئے جانے سے پہلے موجود تھی۔ معاد میں اس کو پھر جسم کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔ ہماری اس تفہیم کے مطابق وہ روح جس کو برزخ میں رکھا جاتا ہے اور حمل کے چوتھے ماہ میں جنین کی طرف منتقل کیا جاتا ہے یا وہ روح جو حضرت آدمؑ میں پھونکی گئی تھی زندگی کی روح نہیں ہے۔ یہ وہ روح ہے جو کسی شخص کو ذمہ دار اور جوابدہ بناتی ہے۔ کیونکہ یہ روشنی کا منبع ہے جو اللہ سے روشنی وصول کر کے بندے کی طرف منتقل کرتی ہے۔ عہد الست اس ذمہ داری اور جوابدہی کی طرف واضح اشارہ ہے۔ ۳۳

خلاصہ یہ کہ انسان کائناتی روح کا ایک مکشوفہ ہے جس کو روحِ حیاتی کے ذریعہ زندگی عطا کی گئی ہے اور جوابدہ روح کے ذریعہ جوابدہ بنایا گیا ہے۔

۵.۲ لوح و قلم

لوحِ محفوظ کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس کے لئے ام الکتاب (الرعد:۳۹، الزخرف:۴)، کتاب (الحدید:۲۲) کتاب مکنون (الواقعہ:۷۸) کتابٌ حفیظ (قٓ:۴) اور لوحٌ محفوظٌ (البروج:۲۲) جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ البتہ یہ کہاں موجود ہے اسکی طرف اشارہ احادیثِ رسول ﷺ سے ملتا ہے۔ مشیّت الٰہی کے اس اہم پہلو سے متعلق تصورات قائم کرنے میں ہم کو احادیثِ رسول ﷺ سے کسی حد تک مدد ملتی ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اللہ کی مشیّت دراصل اس کا پُرعلم و حکمت منصوبہ ہے۔ اس لحاظ

سے یہ اس کی ایک صفت ہے جس کو کوئی بھی شخص نہ دیکھ سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے اس کے برخلاف لوح محفوظ ایک مخلوق ہے جو حالانکہ بالفعل نا قابلِ رسائی ہے لیکن اگر اس کو کسی خاص مخلوق (فرشتوں) تک کسی طرح پہنچا دیا جائے تو نا قابل مشاہدہ نہیں ہے۔ اب ہم رسول اللہ ﷺ کے اقول کی روشنی میں لوحِ محفوظ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں

۱۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ نے زمین و سماوات کو بنانے سے پچاس ہزار برس پہلے تقدیریں بنائیں۔ ۳۴

۲۔ نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ارض و سمٰوات کی تخلیق سے دو ہزار برس پہلے کتاب لکھی"۔ ۳۵

۳۔ ولید بن عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ نے پہلے قلم بنایا۔ پھر اس سے کہا لکھ۔ قلم نے پوچھا کیا لکھوں؟ اللہ نے فرمایا ابد تک جو کچھ بنایا جائے گا اس کی تقدیر لکھ"۔ ۳۶

ان احادیث نبوی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی منترع مشیت یعنی خود اللہ کے باطن میں اس کا تخلیقی منصوبہ بحیثیت اس کی صفت علمی کے الگ شئ ہے اُس منصوبے سے جو لوحِ محفوظ نام کی کسی شئ پر قلم نام کی کسی شئ سے لکھ دیا گیا ہے۔ اللہ کی منترع مشیت ازلی اور ابدی ہے جب کہ لوحِ محفوظ اور قلم زمان و مکان کی مخلوقات ہیں اور ہماری اصطلاح کے مطابق مصنوع مشیت کے درجے کی چیزیں ہیں۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ لوح و قلم کہاں ہیں۔ ذیل کی دو حدیثوں میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دونوں حدیثیں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں۔

۱۔ جب اللہ نے مخلوقات کو بنایا تو عرش پر اپنے پاس موجود کتاب میں لکھا: میری رحمت میرے غضب پر چھائی ہوئی ہے۔ ۳۷

۲۔ اللہ نے زمین آسمان کی تخلیق سے پہلے اپنے ہاتھ سے ایک تحریر لکھی اور اس کو اپنے عرش کے نیچے رکھا۔ اللہ نے اس میں لکھا "میری رحمت نے میرے غصے کو

ڈھانک رکھا ہے"[۳۸]

ایک روایت کے مطابق لوح محفوظ عرش پر ہے جب کہ دوسری روایت کے مطابق یہ عرش کے نیچے ہے۔ ہمارے نزدیک ان روایات سے لوحِ محفوظ کی وسعت اور عرش سے قربت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابن کثیرؒ کے مطابق لوح محفوظ ملاء اعلیٰ کے قرب میں ہے اور ہر قسم کی زیادتی، کمی، تبدیلی اور پلیدگی سے محفوظ ہے[۳۹]، ابن کثیرؒ ابن عباسؓ کے الفاظ کو بھی یوں بیان کرتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سفید موتیوں سے بنایا ہے، اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم اور الفاظ نور ہیں"

حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبے کو کائناتی روح کی بیرونی سطح پر اس وقت کندہ کردیا جب کہ اُس کے اندر نا قابلِ مشاہدہ نور کا ظہور ہو چکا تھا۔ اسی نور کو کائناتی روح کے صفحات پر مکمل منصوبہ تخلیق کندہ کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ چنانچہ قلم نور ہے الفاظ نور ہیں جب کہ صفحات کائناتی روح کے موتی اور یاقوت سے بنے ہوئے ہیں۔ یہی کائناتی روح وہ واسطہ ہے جس کے ذریعہ لوحِ محفوظ کے نورانی الفاظ ساتویں آسمان تک منتقل کر کے مرکوز کردئے جاتے ہیں جہاں پروہ ملاء اعلیٰ کے لئے قابلِ مشاہدہ ہو جاتے ہیں جو احکام وصول کر کے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ فرشتے زندہ، باشعور اور متحرک مخلوق ہیں جن کو نا قابلِ مشاہدہ نور سے بنایا گیا ہے۔ چنانچہ یہ اللہ کے ان احکام کو وصول کرنے کے لئے مناسب ترین مخلوق ہیں۔ اس کے علاوہ تمام عالم میں ملائکہ کے واسطے کے بغیر بھی اللہ کے احکام کائناتی روح کے درمیان سے گذرتے ہوئے جاری ہوتے رہتے ہیں جس کے لئے مکانی وزمانی ابعاد کوئی معنی نہیں رکھتے۔

اذا اراد شیئاً اَنْ یقولَ لَهُ کن فیکون[۴۰]

اب تھوڑی دیر کے لئے ہر چیز کو بھول جایئے اور صرف اللہ کی مشیّت کو یاد رکھئے۔ اللہ کی مشیّت یعنی کائنات، اللہ کی مشیّت یعنی انسان، اللہ کی مشیّت یعنی انسان کا علم، اللہ

کی مشیّت یعنی انسان کی مشیّت ، اللہ کی مشیت یعنی انسان کی لاعلمی ۔ انسان کو علم یا تو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے یا تجربہ کے ذریعہ ۔ مشیت الٰہی کے سمندر میں مقیم انسان کو جسے خود اس کی مشیّت ملی ہوئی ہے اپنے اعمال کو مشیّت الٰہی کے مطابق کرنا اُن علوم کی روشنی میں جن کو علیحدہ علیحدہ علوم مشیّت اور علوم رضا کہتے ہیں ۔

علومِ مشیّت انسان کے آگے میدانِ کار کے بڑے بڑے امکانات کھول دیتے ہیں ۔ علوم رضا اُس کے اعمال کو صحیح رخ دیتے ہیں اور ان کی حد بندی کرتے ہیں ۔ دونوں علوم کا ارتقاء وَحی اور تجربہ کی روشنی میں ہوتا ہے ۔ علمِ رضا کردار سازی کرتا ہے ، مقاصد و اصول عطا کرتا ہے مگر عملی انطباق کے لئے تجربہ چاہتا ہے ۔ علمِ مشیّت امکانات وا کرتا ہے ، نئے میدانِ کار کھولتا اور اُن کو وسیع کرتا ہے ۔ لیکن اعمال کو مناسب حدود میں رکھنے کے لئے اور مقاصد و اہداف متعین کرنے کے لئے وحی کی ہدایت کا مرہونِ منّت ہے ۔

۳ ۔ نظامِ رضا

نظامِ مشیّت ہی کی طرح نظامِ رضا بھی لوحِ محفوظ میں مکتوب ہے ۔ بالکل اسی طرح جس طرح علمِ مشیّت کو انسان پر آہستہ آہستہ کھولا گیا ہے اور نسلاً بعد نسلٍ انسان پر نت نئی جہاتِ عمل روشن کی گئی ہیں ، نظام رضا کو بھی انسان پر آہستہ آہستہ منکشف کر کے ترقی کرتی ہوئی نسلوں کو ضرورت کے مطابق ہدایت دی گئی ہے ۔ مختلف پیغمبروں کی تاریخ اور ان کی کتابوں کی تعلیم سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ۔ اول یہ کہ اصول ہمیشہ نا قابلِ تبدُّل رہے ہیں ۔ دوم یہ کہ اصولوں پر عمل درآمد کی شکلیں معاشروں کی ترقی یافتہ حالتوں کے لحاظ سے بدلتی رہی ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر پیغمبر یکساں اصولوں کی پابندی کے ساتھ اپنے اپنے احوال میں راہِ عمل اختیار کرتے ہوئے اپنی تعلیم میں ایسی گنجائشیں بھی رکھتا تھا کہ مستقبل میں نشوونما اور ترقی بھی ہوتی رہے اور ہر پیغمبر نے بدکردار لوگوں کو کنارے لگاتے ہوئے اور اچھے لوگوں کو تربیت دیتے ہوئے مزید ترقی و بہبود کے لئے مثبت طور پر جدوجہد کی ہے تا کہ مکمل خلافت وجود میں آسکے ۔ یہ خلافت پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے دور

میں پوری آب وتاب ے ساتھ وجود میں آ گئی جہاں وحی، تجربہ اور علومِ رضا و مشیت مکمل توازن کے ساتھ یکجہت تھے۔

نظام رضا میں بھی وُہی لغت مثلاً امر، اذن، قضا وغیرہ استعمال ہوئی ہے لیکن انطباقی سطح پر اس قدر سخت مفہوم میں نہیں جس قدر نظام مشیت میں ظاہر ہوتا ہے۔ انسان مشیت کے خلاف عمل پیرا نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر وہ کھائے، پیٔے اور سانس لیئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ البتہ وہ اللہ کی رضا کی خلاف ورزی بغیر کسی فوری نقصان دہ نتیجے کے کرسکتا ہے جب کہ مشیّت کی خلاف ورزی کے نتیجے میں فوراً یا تو موت واقع ہوسکتی ہے جیسا کہ گلا گھونٹ لینے کی شکل میں ہوتا ہے یا متواتر فاقہ کرنے کے نتیجے میں کمزوری اور آخرکار موت ہوجاتی ہے۔ فطرت، جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں، مشیتِ الٰہی کی مصوّر و متشکل صورت ہے جس میں ایک اور مصوّر و متشکل مشیّت یعنی انسان واقع ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشیت یعنی انسان اور مشیت یعنی فطرت کے درمیان تعامل ہوتا ہے۔ البتہ مشیّت ''الانسان'' کو مشیّت ''الفطرت'' کے ساتھ تعامل کے لئے ہدایت درکار ہوتی ہے تاکہ وہ صحیح اور پورا فائدہ حاصل کر سکے۔ نظامِ رضا یہ ہدایت فراہم کرتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مشین کے ساتھ وارنٹی اور کچھ ہدایتیں بھی ہوں۔ اب اگر یہ مشین ان ہدایتوں کے مطابق استعمال کی جاتی ہے اور اس سے کام لیتے وقت یا رکھی ہوئی حالت میں تمام تحفظاتی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں تو یہ یقین دہانی کرائی جاتی ہے کہ عرصہ وارنٹی کے دوران تمام فوائد حاصل ہونگے۔ فطرت کے ساتھ ہمارے عمر بھر کے تعامل سے متعلق یہ وارنٹی ہم کو نظامِ رضا سے فراہم ہوتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مشین سے متعلق وارنٹی اور ہدایات کسی نہ کسی طرح اُن اصولوں اور بناوٹوں پر مبنی ہوتے ہیں جن پر مشین کو ڈھالا گیا ہے۔ نظامِ رضا بھی نظامِ مشیّت پر مبنی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظام رضا بھی نظامِ مشیت ہی کا ایک رُخ ہے۔ اس کے باوجود دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''یہاں ہماری سابق تشریحات کے علاوہ یہ حقیقت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہوجانی چاہئے کہ قرآن کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور

اُس کی رضا میں بہت بڑا فرق ہے جس کو نظر انداز کر دینے سے
بالعموم شدید غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔ کسی چیز کا اللہ کی مشیت اور
اس کے اذن کے تحت رُونما ہونا لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ اللہ
اُس سے راضی بھی ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی
واقعہ کبھی صَدور میں نہیں آتا جب تک اللہ اُس کے صَدور کا اذن
نہ دے اور اپنی عظیم الشان اسکیم میں اُس کے صدور کی گنجائش نہ
نکالے اور اسباب کو اس حَد تک مساعد نہ کردے کہ وہ واقعہ صادر
ہو سکے۔ کسی چور کی چوری، کسی قاتل کا قتل، کسی ظالم و مفسد کا ظلم و
فساد اور کسی کافر و مشرک کا کفر و شرک اللہ کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں
ہے۔ اور اسی طرح کسی مومن اور کسی متقی انسان کا ایمان و تقویٰ بھی
مشیتِ الٰہی کے بغیر محال ہے۔ دونوں قسم کے واقعات یکساں طور پر
مشیت کے تحت رُونما ہوتے ہیں۔ مگر پہلی قسم کے واقعات سے اللہ
راضی نہیں ہے اور اس کے برعکس دوسری قسم کے واقعات کو اُس کی
رَضا اور اُس کی پسندیدگی و محبوبیت کی سند حاصل ہے۔[۱۴]

نظامِ مشیت ورضا کے تعلق سے انسانی افعال کی چار قسمیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل وہ افعال جو دونوں ہی نظاموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان کے نتیجے میں دنیا اور آخرت دونوں ہی جگہ فوز وفلاح حاصل ہوتی ہے۔ دوم قسم وہ افعال جو صرف مشیت کے مطابق ہوں وہ اس دنیا میں تو کامرانی کا ذریعہ بن جاتے ہیں مگر اُخروی کامرانی یقینی نہیں ہوتی۔ تیسری قسم کے افعال سے جو صرف نظام رضا کے مطابق کئے گئے ہوں اُخروی کامیابی یقینی ہوتی ہے مگر دنیوی کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔ البتہ اس قسم کے افعال دنیوی سطح پر بھی کسی حد تک موثر ہوتے اور اچھے اثرات مرتب کرتے ہیں کیونکہ نظام رضا بھی بہر حال نظامِ مشیت ہی کا ایک رُخ ہے۔ چوتھی قسم کے افعال جو نہ تو رضا کے مطابق ہوں اور نہ مشیت کے مطابق، اُن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ کبھی موثر نہیں ہوسکتے کیونکہ نظامِ مشیت

کے نصرت کے بغیر کسی بھی عمل کا انجام تو محض وقت اور قوت کی بربادی ہوتا ہے۔ اس سے نہ تو دنیوی منفعت ہو سکتی ہے اور نہ اُخروی انعام مل سکتا ہے۔

البتہ انسانی جدّ وجہد میں بالعموم سبھی قسم کے افعال شامل رہتے ہیں۔ فرد و معاشرہ، دونوں سطح پر یہی صورتِ حال ہے۔ ایک فرد کے افعال زندگی بھر انہی اقسام کے درمیان اِدھر یا اُدھر ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ معاشرے میں سب طرح کے افعال ہر وقت ہوتے ہیں۔ حکمت جیسی قیمتی چیز کو تمام معاشروں میں تقسیم کیا گیا ہے گو اِس تقسیم کا تناسب الگ الگ ہے۔ اسی طرح ہدایت سے سبھی معاشروں کو فائدہ پہنچتا ہے گو پیغمبر مخصوص علاقوں اور زمانوں ہی میں آتے ہیں۔ چنانچہ سبھی معاشروں میں مشیت اور رضا کا علم پایا جاتا ہے حالانکہ اس لحاظ سے سبھی معاشرے مختلف ہوتے ہیں کہ وہ ان دونوں میں سے کس کو کس قدر اہمیت کمی و کیفی اعتبار سے دیتے ہیں۔ اسلامی نظامِ رضا میں کچھ بہت اہم اور اصولی تصورات اور اخلاقی ضابطے ہیں جن کے ذریعہ انسان کی عقلی، ارادی اور جسمانی قوتوں کی بحالی، ہدایت اور نگرانی ہوتی رہتی ہے تاکہ نظامِ مشیّت میں گھرے رہ کر زندگی گذارتے ہوئے اپنے تعامل کے دوران مسلمان تمام افعال کو متوازن رکھ سکیں۔ تصوراتی حصہ توحیدِ الٰہی، توحیدِ مشیت جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، تصورِ انسان، تصورِ علم اور تصورِ آخرت پر مشتمل ہے۔ اخلاقی ضابطوں میں حلال، حرام، مباح وغیرہ شامل ہیں۔ انسان جس کو خود اُس کی اپنی مشیت دی گئی ہے یا دوسرا الفاظ میں مشیت ''الانسان''، مشیّت ''الفطرت'' کے ساتھ تعامل کرتا ہے۔ اللہ کی فوری مشیت پردے کے پیچھے سے کام کرتی ہے۔ انسان کو اپنے دونوں علوم یعنی نظامِ رضا و مشیت کے علوم سے اخذ ہونے والی ہدایت کی تابعداری کرنی ہوتی ہے۔

۳.۱۔ نظامِ رضا کے تصوراتی اجزا

نظامِ رضا کے تصوراتی اجزا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا (۱) توحید الٰہی (۲) توحیدِ مشیّت) (۳) تصور انسان (۴) تصورِ علم اور (۵) تصورِ آخرت ہیں۔

توحیدِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ پوری کائنات کا خالق، پروردگار اور ہادی صرف ایک ذاتِ واحد، اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اللہ نے ہی اس کائنات کو اپنی مشیت سے بنایا ہے اور وہی اس کو تنہا بغیر کسی اور خدا کی مدد اور دخل اندازی کے چلا بھی رہا ہے۔ اللہ کی وحدت کا کُھلا ہوا اظہار اس کائنات کے مختلف مظاہر کے درمیان وحدت کی شکل میں ہوتا ہے جو اسی وجہ سے ممکن ہے کہ دنیا اللہ کی متحدہ مشیت کا نتیجہ ہے۔ مشیتِ الٰہی کی وحدت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مشیت جیسا کہ اوپر مفصّل کیا گیا ہمیشہ مربوط اور تال میل کے ساتھ ہوتی ہے۔

تصورِ انسانی سے متعلق سب سے پہلے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا غلام (عبد) ہے۔[۴۲] دوسری اہم بات یہ کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے[۴۳]۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص بحیثیت فرد کے وراثتی اعتبار سے بھی اور تہذیبی اعتبار سے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ متحد ہے اور یہ اتحاد تاریخ میں پیچھے کی طرف مسلسل ہے یہاں تک کہ تمام انسانوں کے ماں باپ ایک ہی بابا آدم اور امّاں حوا ہیں[۴۴]۔ چوتھی حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مختلف خوبیاں انسانوں میں اس طرح تقسیم کردی ہیں کہ کچھ افراد دوسروں سے افضل ہوجاتے ہیں لیکن اصل فضیلت تقویٰ میں ہے[۴۵]۔ تمام انسانوں کا جدِّ امجد میں اتحاد پوری انسانیت کو متحد کرتا ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جو بالکل واضح ہے۔ البتہ عبد اور خلیفہ کا مفہوم بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

۳.۱.۱ انسان، عبد اور عبادت کا تصور

لغت میں عبادت کے معنی میں عاجزی، فروتنی اور ذلت جس کے برخلاف قوت، عزت اور شرف جیسے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں عبادت اللہ کی ایسی اطاعت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ عاجزی، ذلت اور اللہ کی محبت شامل ہو۔[۴۶] اور اگر علم المشیت کی زبان اختیار کی جائے تو اس طرح کہنا مناسب ہوگا کہ مشیت 'الفطرت' میں زندگی گذارتے ہوئے مشیت سے 'الانسان' کا نظام رضائے الٰہی کی روشنی میں محبانہ

عاجزانہ شعوری اور مربوط تعامل عبادت ہے۔ انسان اس معنی میں اللہ کا عبد ہے کہ اس کو تمام تر عاجزی اور محبت کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔ اُسے اللہ کو راضی رکھنے کے لئے اس بتائے ہوئے نظام رضا کے مطابق اپنی زندگی کو رکھنا بھی ہے اور اس کے لئے دعا بھی کرنی ہے تاکہ دنیا اور آخرت میں اللہ کی نصرت وحمایت حاصل ہو سکے۔

۳.۱.۲۔ انسان کا تصور (خلیفہ)

انسان زمین پر اس معنی میں خلیفہ ہے کہ وہ یہاں ایک جاننے والی، بااختیار اور ذمہ دار مخلوق ہے۔ [۴۷] نظامِ مشیت سے متعلق معلومات اس کو بااختیار بناتی ہیں جس کے نتیجے میں وہ مشیت 'الفطرت' کے بارے میں ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ چنانچہ وہ زمین اور اس کے ماحول کا نگراں ہوجاتا ہے جس کے لئے وہ جواب دہ بھی ہے [۴۸]۔ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے میں سرخرو ہونے کے لئے نظام رضا کا علم مددگار ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ نظامِ مشیت ورضا کا علم اس کو ابتدائی طور پر خلافت کا اہل بنادیتا ہے۔ جب وہ اپنی مشیت کو مشیت ورضائے الٰہی کے علم کے مطابق ڈھال لیتا ہے تو عملاً ''فی الارضِ خلیفہ'' ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فی الارضِ خلیفہ بہ یک وقت عبداللہ فی الارض بھی ہوتا ہے۔ نظامِ مشیت ورضا کے علوم آپس میں متحد و یکجہت ہیں جو زمین پر عبد اور خلیفہ کی حیثیت سے انسان کے مقصد اور کارکردگی کو حقیقت کا جامہ دینے میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔

۳.۱.۳ علم کا تصور

نظامِ مشیت کی موحدانہ اسکیم میں جہاں رضا اور مشیت کا علم اور ساتھ ساتھ وحی اور تجربہ باہم متحد و یکجہت ہوتے ہیں انسانی علم بھی واحد، بلاتفریق اور سالم ہوتا ہے۔ جس طرح وحی اور تجربہ مل کر ایک مضبوط علمیاتی اصول کی تعمیر کرتے ہیں اسی طرح یہ ایک ہی وجودیاتی اصول یعنی مشیت پر مبنی بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کو علیحدہ علیحدہ مشیت۔ الوحی اور مشیت۔ التجربہ کہا جاسکتا ہے۔ وحی مشیت ہے، تجربہ مشیت ہے، علم بھی مشیت ہے۔

انسانی علم ایک ہی علمیاتی اور وجودیاتی اصول یعنی مشیت الٰہی پر منحصر ہے۔ چنانچہ ہم صحیح طور پر مندرجہ ذیل باتیں کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ جس طرح تمام باشعور اور دوسری مخلوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے زُمرے اور نظام ہیں اسی طرح انسانی علم بھی اللہ کی مشیت ہے۔

۲۔ انسانی علم اللہ کی مشیت اور اُس کی رضا کا علم ہی ہوتا ہے۔

۳۔ انسان کا علم اللہ کے قبضے میں موجود علم ہی ہوتا ہے کیونکہ

(ا) انسان کوئی بھی ایسی چیز نہیں جانتا جس کو اللہ نہ جانتا ہو۔

(ب) اللہ اپنی مشیت کو اس سے پہلے جانتا ہے کہ انسان اُس سے واقف ہو۔

(ج) علم حضورِ الٰہی میں ایک سمندر ہے، جس کا کچھ حصہ جب بھی وہ چاہتا ہے انسان کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

۴۔ انسانی علم اللہ سے متعلق علم ہے کیونکہ

(ا) اللہ کی مشیت کا علم اللہ کی ایک صفت کا علم ہے۔

(ب) اللہ کی بہت سی صفات کا بیان و اظہار نظامِ رضا و مشیت (اس کی تخلیق) میں ہوتا ہے۔

اسلامی نظامِ فکر میں علم صرف وجودیاتی اصول اور علمیات کے لحاظ ہی سے متحد نہیں ہوتا بلکہ یہ دوسری جانب ہدایت اور مقصد سے بھی ملحق ہوتا ہے۔ اسلامی درجہ بندی میں بے ہدایت اور بے مقصد علم کو کمتر درجہ ملتا ہے ۴۹۔ قرآن اُس علم کی بہترین مثال ہے جس میں وجودیاتی علمیاتی اور اخلاقی ضابطہ بندی کے درمیان وحدت بلند ترین درجہ پر پائی جاتی ہے اور انسان اپنے آپ کو تجلّیات الٰہی کا مطالعہ کرتا ہوا، ہدایت تلاش کرتا ہوا اور خود اپنے وجود اور اپنے علم کا مقصد معلوم کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ جب ایک مسلمان اس کائنات میں سفر کرتے ہوئے اور خلا میں دور تک اجسام کا مشاہدہ کرتے ہوئے تجربی علم حاصل کرتا ہے تو قرآن اُس کے لئے ایک نمونہ بن جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں وحی اور تجربہ متحد ہو کر انسانی افعال کو بامقصد نتائج تک پہنچاتے ہیں۔ اس طرح وحی اور تجربہ واحد

وجودیاتی اصول میں منحصر رہتے ہوئے علمیاتی اعتبار سے یک جہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور انسانی افعال کو مل جُل کر راہ یاب کرتے ہوئے علم و عمل کے درمیان مکمل ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مشیت سے ہی ان کی ابتدا ہوتی ہے اور ہمیشہ مشیت ہی سے ان کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

۳.۱.۴۔ آخرت کا تصور

اللہ کی مشیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ موجودہ صورتوں اور شکلوں کو درہم برہم کرکے ہم کو ہمارے اعمال کا حساب چکانے کے لئے دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ اسکی مشیت کا بالکل ہی مختلف نظام ہوگا، جو بالعموم آخرت کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں اس کی مشیت کے مختلف نمونے الگ الگ مقام یعنی جنت اور جہنم میں موجود ہوں گے جہاں وہ اپنی مہربانی اور غضب کا علیحدہ علیحدہ اظہار کرے گا۔ مشیت اور رضا کے درمیان جو باریک تعلق ہے یہاں اس کو بیان کئے دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص توحید، آخرت اور آسمانی ہدایت پر یقین کرنے لگتا ہے، جو دراصل نظام رضا کے لازمی اجزا ہیں، تو اُس شخص کے افعال مشیت الٰہی کے وسیع چوکھٹے سے مطابقت کرنے لگتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ذاتی مشیت (خواہش) کو اللہ کی مشیت میں جذب کر دیتا ہے اور اپنے افعال کو اُس عظیم مشیت کی مطابقت میں وحی اور تجربی علوم کی مدد سے ڈھال لیتا ہے۔ ایک مومن سے قوی امید کی جاتی ہے کہ وہ نظامِ مشیت میں امن و توازن برقرار رکھے گا۔ چنانچہ مومن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے جو مشیت کا مثبت پہلو ہے۔ اس کے برخلاف ایک کافر اپنے جہل کی بناپر نظامِ مشیت میں بے توازنی اور فساد برپا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتا ہے جو نظام رضا کا منفی پہلو ہے۔

۳.۲. نظامِ رضا اور اخلاقی ضابطہ

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ نظام رضا میں اخلاقی ضابطہ بھی شامل ہے۔ اس اخلاقی ضابطے سے معلوم ہوتا ہے کہ کون سے اعمال حلال ہیں اور کون حرام۔ کون مباح

ہیں اور کون مستحب اور مکروہ وغیرہ۔ ان کی طویل فہرست قرآن اور سنت میں موجود ہے جب کہ وہ چیزیں بھی اس فہرست میں شامل ہیں جو قرآن اور سنت میں پیش کردہ اصولوں، ضابطوں اور نمونوں سے ماخوذ ہیں۔ یہ اقسام اور ان سے متعلق ہدایات ایک مکمل اور جامع نظام ہدایت فراہم کرتی ہیں کہ جس کی طرف رجوع کرنا کسی بھی اقدام سے قبل یا وقت، جسمانی یا فکری قوت کو صرف کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے اشد ضروری ہے۔

حرام اور حلال کی ابتدائی فہرست تو بہت چھوٹی ہے۔ نظام مشیت کے مختلف پہلوؤں سے متعلق نت نئی معلومات میں اضافے کی روشنی میں، سائنس وٹکنالوجی میں بے شمار دریافتوں اور سائنسی اشیاء کی مختلف انواع واقسام میں تیز گام بہتات کے پیش نظر یہ ابتدائی فہرست بہت ہی کم معلومات فراہم کرتی ہے۔ تاہم اسلامی فقہ کے ایک بہت ہی اہم اور سودمند اصول، 'قیاس' کو استعمال کر کے بہت سے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے اور کسی بھی نئی دریافت کی پیداوار اور استعمال سے متعلق حلال، حرام، مستحب، مکروہ یا مباح کا حکم اخذ کیا جاسکتا ہے۔ صحیح قیاس کے لئے اشیاء کے درمیان مماثلتوں اور فرق کی پہچان ضروری ہے جس کے لئے تجربہ لازم۔ اگر وحی کے ذخیرے میں یہ معلوم ہو کہ کیا چیز حلال یا حرام ہے اور کس بنا پر ہے تو علم وحی سے فائدہ اٹھانا بھی لازم ہے۔ قیاس کے ذریعہ نئی دریافتوں کی جائز، ناجائز اور مشروط جائز جیسی تقسیم بھی کی جاسکتی ہے۔ مباح اشیاء کی بھی ایسی ہی درجہ بندی کی جاسکتی ہے اور ان کی پیداوار کو لائسنس کے ذریعہ قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ انسانی مشیت کو اللہ کی مشیت کے قریب تر کرنے کے یہ کچھ طریقے ہیں تاکہ دونوں کے درمیان عمدہ قسم کا ربط قائم ہو سکے۔ جیسا کہ اوپر زور دیا گیا یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس ربط کے لئے نظامِ مشیت ورضا اور وحی وتجربہ کا جامع علم درکار ہے۔

۳.۲.۱ نظام رضا اور مقاصدِ شریعہ

اسلام کے نظامِ رضا کے مطالعہ کی ایک متواتر تاریخ ہے۔ اس کی بنیادیں خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس رکھیں تھیں۔ اصحابِ کرامؓ نے اس

عظیم کام کو جاری رکھا اور ایسے بے شمار ماہرین چھوڑے جن کے ذہن تیز اور قلوب پاک تھے۔ اس مکرّم کام میں نسلیں لگ گئیں جس کے نتیجے میں کچھ اصول سامنے آئے جن میں سے "مقاصدِ شریعہ" بہت اہم ہیں۔ اور اصولوں کی طرح یہ بھی قرآن وسنت کی جامع تعلیمات ہی سے ماخوذ ہیں۔ قرآن کی بہت سی آیات میں احکام کے ساتھ ان کے فائدوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔۵۰ ان مخصوص آیات کی روشنی میں استقراء کے عمل سے ایک کلّیہ اخذ کیا گیا ہے، یعنی "قرآنی تعلیمات اور اسلامی شریعت با مقصد ہیں" اس کلّیہ کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت کے چھ مقاصد بیان کئے گئے ہیں جن میں دورِ حاضر کی ترقیات اور انسانی افعال کے میدانوں میں وسعت پیدا ہو جانے کی وجہ سے اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ فی الحال چھ مقاصد ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ عقل کا تحفظ

۲۔ زندگی کا تحفظ

۳۔ دولت کا تحفظ

۴۔ حسب نسب کا تحفظ

۵۔ عزت و ناموس کا تحفظ

۶۔ اسلامی عقیدہ اور مومنین کے طریقے کا تحفظ

مذکورہ بالا فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مقاصدِ شریعہ میں اقدار سے بھرپور عقلیت اور عالمگیریت پائی جاتی ہے۔ اِن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے نظام رضا میں پیش کردہ قوانین (جن میں مُثبت اور منفی احکام شامل ہیں) مشیأتی سچائیوں پر مبنی ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ قرآن اور سنت میں موجود ہے، اور باقی کو ہم تجربات کی روشنی میں معلوم کر سکتے ہیں۔ وہ ہستی جس کی مشیت پوری کائنات میں عمل پیرا ہے اچھی طرح واقف ہے کہ انسان جس کو خود اس کی اپنی (یقیناً بہت چھوٹی سی) مشیت ملی ہوئی ہے اللہ کی عظیم مشیت کے درمیان کس طرح عمل پیرا ہو کہ نہ تو نظام فطرت میں کوئی خلل واقع ہو، نہ معاشرتی تنظیم میں اور نہ انفرادی صحت کو خطرہ لاحق ہو۔ چنانچہ نظام مشیت

میں عمل پیرا ہونے کے لئے انسان کو نظامِ رضا کے ذریعہ جو رہنمائی ملتی ہے انسانی عقل کے ذریعہ اس کو سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ دونوں نظاموں کے درمیان تال میل ہے اور جیسے ہی انسان نظامِ رضا کی رہنمائی میں قدم بڑھاتا ہے وہ لازماً تال میل کے فوائد کا تجربہ کرتا ہے۔

۲.۲.۳ نظامِ مشیت اور مقصد

قرآنِ کریم جو اصلاً علومِ رضا کا ماخذ ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ نظام مشیت آیات سے پُر ہے۔ نظام مشیت کی یہ آیات اللہ کی توحید، اس کی قوت، علم وحکمت، رحم وکرم، انصاف اور مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہاں ہم نظام مشیت میں مقصد کی موجودگی پر گفتگو کریں گے کیونکہ جدید علوم کو فطرت میں مقصد کی موجودگی سے انکار ہے۔ گو علم اور عقلیت سے متعلق ہمارا تصور سائنسیت اور نیچریت کے ذریعہ متعین نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے نزدیک نظامِ مشیت سائنسی تصور فطرت میں محدود نہیں ہے، پھر بھی یہاں مقصد پر اپنی بحث کو ہم نیچر کی سطح تک ہی محدود رکھیں گے۔ اس سے ہم کو یہ بات سمجھنے میں مدد ملے گی کہ سائنس کے زیرِ مطالعہ رہنے والی نیچر کی سطح پر بھی مقصد کا وجود ظاہر وباہر ہے اور سائنس باوجود اس دعوے کے کہ اُس میں اقدار نہیں ہوتیں وہ نیچر ہیں مقصد کے وجود سے صرف نظر نہیں کرسکتی گو اِس نے اس حقیقت کو بڑی حد تک کنارے ضرور کردیا ہے۔ مقصد جو ایک قدر ہے نیچر کا لازمی جز ہے اور سائنس اس سے تجاہل برت کر قطعی طور پر مکمل نہیں سمجھی جاسکتی۔

ذیل میں دی گئی اسکیم (تصویر ۵) جو فطرت کی ہم آہنگی کا مظہر ہے، بتاتی ہے کہ فطرت کا ہر مظہر صرف علّت ومعلول کے سلسلوں میں پیوستہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر مظہر کو ایک متعین مقصد بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔ سورج پودوں کو قوت پہنچاتا ہے پودے جو پتیوں کے ذریعہ اس قوت کو جذب کرتے ہیں بالعموم پھیلی ہوئی پتیاں رکھتے ہیں تا کہ قوت کو جذب کرنے کے لئے زیادہ سطح موجود رہے تو زیادہ سے زیادہ قوت جذب ہو اور زیادہ سے زیادہ غذا تیار ہوسکے۔ زندگی کا عمل چونکہ ہر خلیے میں ہوتا ہے تو انہیں مسلسل قوت کی رسد درکار ہوتی ہے جس کے لئے پودوں میں ایک بہت ہی پیچیدہ نظامِ نقلِ غذا پایا جاتا ہے۔

اس نظامِ نقل کے ذریعہ تنے ، جڑ اور پھولوں تک غذا پہنچائی جاتی ہے۔ پھولوں میں بیج بنتا ہے جو پودے کی بقائے نسل کا ضامن ہوتا ہے۔ بیج بننے سے پہلے گُل زیرہ ایک پھول سے دوسرے پھول تک پہنچانے کے لئے ہوا اور بھنگے مددگار ہوتے ہیں۔ بھنگوں کی کشش کا باعث پھولوں کا رنگ اور ان کی خوشبو ہوتی ہے۔ رات میں کھلنے والے پھول بالعموم سفید اور تیز مہک والے ہوتے ہیں تا کہ بھنگے دور ہی سے کھنچے چلے آئیں اور پھر رات کی سیاہ چادر پر سفید پھول ان کو آسانی سے نظر آ جائیں۔ اس کے برخلاف دن میں کھلنے والے پھول شوخ رنگ ہوتے ہیں تا کہ دن کی چمک میں وہ بھنگوں کو اچھی طرح دکھائی دیں۔

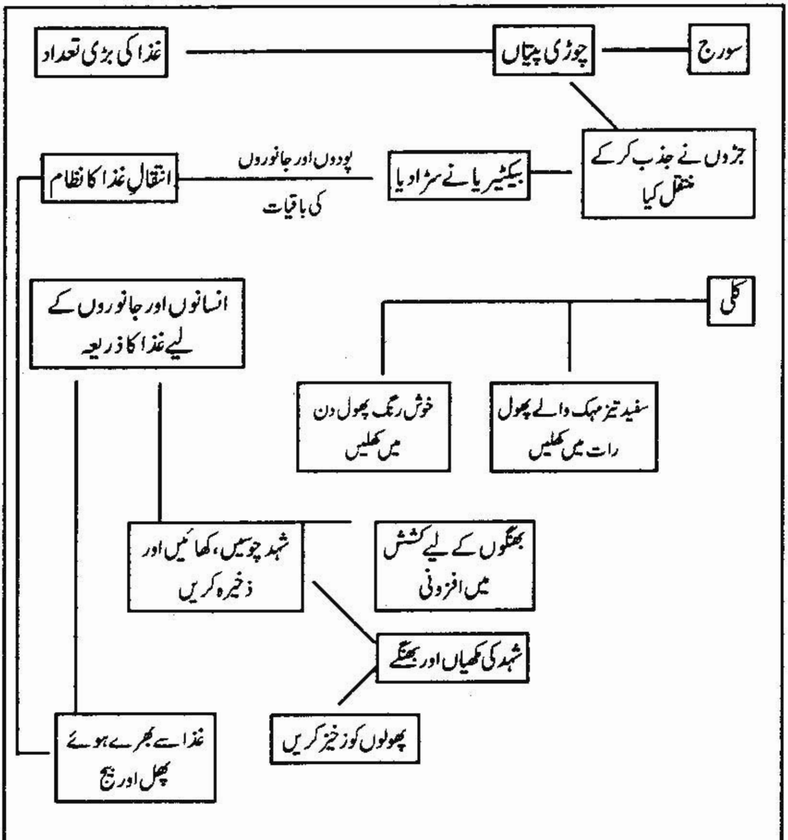

تصویر......۵

بھنگوں کو خود اپنے لئے پھولوں سے شہد جمع کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح پھولوں اور بھنگوں کے درمیان دوطرفہ دوستی ہوتی ہے جس کا دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ اُدھر بیج بننے کے لئے بھی غذا درکار ہوتی ہے جو پھل سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ زیرہ کاری اور بارآوری کے بعد پھل اور بیج ساتھ ساتھ ترقی پاتے ہیں۔ پھل میں جمع شدہ غذا بیج کے دَل کو ترقی دینے میں مددگار ہوتی ہے جب کہ دَل ایمبریو embryo کو غذا فراہم کرتا ہے۔ پھل اور دَل میں ذخیرہ شدہ غذا جانوروں اور انسانوں کے کام بھی آتی ہے۔ اس طرح زندہ فطرت کے تمام افراد کے درمیان بہت قریبی، دوطرفہ اور بامقصد اشتراکِ باہم پایا جاتا ہے۔ بامقصد فطرت کا ہر جز ایک دوسرے کے مقاصد کو بلاواسطہ یا بالواسطہ پورا کر رہا ہے۔ کُل نظام مشیت بامقصد ہے جس کا ایک جُز انسان بھی ہے۔

۳.۲.۳ اسلامی عقلیّت، علم اور مقصد

مذکورہ بالا مباحثہ ایسی عقلیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں علم اور مقصد باہم مربوط ہوتے ہیں۔ اسلامی عقلیت میں نہ تو بے مقصد علم کا کوئی مقام ہے اور نہ بے علم مقصد کی کوئی گنجائش۔ اسلام میں علم کا اوّلین ہدف اور اہم ترین مقصد دل و دماغ اور عمل میں توحید کو قائم و دائم کرنا ہے۔ ہمارے گردوپیش کی دنیا میں اللہ کی آیات ہیں۔ اللہ کی ذات ایک ایسی حیران کن حقیقت ہے جس کو عقل نہیں سمجھ سکتی، پھر بھی اس کو قرآن، سنت اور مطالعہ فطرت کی مدد سے کسی حد تک قابلِ فہم کیا جاسکتا ہے۔ اس روشنی کے بغیر عقلیت نام کی کوئی بھی شئے اسلامی عقلیت نہیں ہوسکتی۔ سائنسی عقلیت جس میں توحید کا کوئی تصور نہیں، جو بے اقدار تصور علم کے لئے کوشاں ہو، وہ سائنس جو مذہب سے لاتعلق ہو، عقلیت کے بار بار دعووں کے باوجود اسلامی نظامِ افکار میں عاقل نہیں سمجھی جاسکتی۔ حقیقت جو خود محیر العقل ہے صرف ان لوگوں پر منکشف ہوتی ہے جو

۱۔ قومٍ یعقلون۔ ۵۱

۲۔ اولو الالباب ۵۲، متوسمین ۵۳، اور قوم یفقھون ۵۴ ہیں۔

۳۔قومٍ یتفکرون ۵۵؎

۴۔قومٍ یومنون ۵۶؎ ہیں

وہ لوگ جو قرآنی عقیدۂ توحید کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں وہ قرآن کے بیان کے مطابق

۱۔ جاہل ۵۷؎

۲۔ جانوروں سے بدتر ۵۸؎

اور

۳۔ایسے گدھے ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ ۵۹؎

اور اس حقیقتِ واقعہ کا اطلاق مستند فلاسفہ اور سائنسدانوں پر تو کیا بلکہ مذہبی شخصیتوں پر بھی ہوتا ہے۔ ۶۰؎

عقیدہ توحید میں یہ بھی شامل ہے کہ فطرت میں ایک آزاد، خودمختار اور قوی ارادہ (مشیت) کام کرتا ہے اور یہ ارادہ بامقصد بھی ہے۔ اس سے بامقصد فطرت کا تصور سامنے آتا ہے۔ وہ سائنس جو مقصد پر یقین نہیں رکھتی اور صرف علّت و معلول کے سلسلوں پر منحصر رہتی ہے قرآن و سنت کی روشنی میں اس کو دانش اور حکمت جیسی صفات سے سرفراز نہیں کیا جاسکتا۔ انسانی مشیت بے حس فطرت کے ساتھ تعامل نہیں کرتی بلکہ اس کو اللہ کی عظیم مشیت کے رُوبہ رو ہونا پڑتا ہے۔ توحید کے اس عقیدے کے بغیر نہ عقل کا وجود ہو سکتا ہے، نہ حکمت کا اور نہ حقیقی سائنس ہی وجود میں آسکتی ہے۔

۴۔مشیتِ الٰہی ایک محیط الکل، ازلی اور ابدی عامل

اسلامی عقائد کے نظام میں مشیتِ الٰہی ایک محیط الکل، ازلی اور ابدی عامل ہے، باوجود اُن مراعات کے جو انسان کی چھوٹی سی مشیت کو عظیم الشان مشیت میں عطا کی گئی ہے۔ عالمِ غیب، عالمِ مشاہدہ اور انسانی میدانِ کار میں ہر واقعہ اللہ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ انسانی اعمال ہمیشہ مشیتِ الٰہی کی حد بندیوں اور امداد کے زیرِ تاثیر اور نتائج ہمیشہ مشیت

الٰہی کی گرفت میں رہتے ہیں۔ یہ تحدید اور گرفت مصوّر مشیت کے واسطے سے بھی ہو سکتی ہے جس کا علم انسان حاصل کرتا رہتا ہے اور براہ راست اُس فعّال مشیت کے ذریعہ ہوتی ہے جس کا علم انسان کو حاصل نہیں ہوتا اور جس کی وجہ سے انسان اپنی کامیابی کے تعلق سے ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ اِس فوری مشیت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے بظاہر پُر اعتماد علم اور عمل میں ہمیشہ اغلبیت کا عنصر شامل رہتا ہے۔ اِس اغلبیت میں اُس جہل کی کارفرمائی سے مزید اضافہ ہوتا ہے جو اکثر مصنوع نظامِ مشیت سے متعلق علمی دعووں میں شامل ہوتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اغلبیت نہیں ہوتی اور وہ اچھی طرح واقف ہوتا ہے کہ انسانی عمل بہرحال اس کی مشیت کے مطابق ہی انجام پذیر ہوگا۔

يَعْلَمُ مابينَ ايديهم وَمَا خَلْفَهُم وَلاَ يـحيطُونَ بشَيءٍ مِنْ عِلْمِه الاّ بِمَاشآءَ (البقره: ٢٥٥)

جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے، اُس سے بھی وہ واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفتِ ادراک میں نہیں آ سکتی، اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔

وَمَا تَشَآؤنَ اِلاّ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ربُّ الْعَالَمِيْنَ. (التكوير : ٢٩)

اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ ربُّ العالمین نہ چاہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ آل عمران: ۲۶، ۴۰، ۷۷؛ المائدہ: ۱۷؛ الاعراف: ۱۸۸؛ یونس: ۴۹؛ ہود: ۱۰۷؛ الفرقان: ۴۵؛ الزمر: ۶۸؛ الدہر: ۳۔

۲۔ البقرہ: ۱۱۷؛ آل عمران: ۴۷، ۵۹؛ الانعام: ۷۳؛ النحل: ۴۰؛ مریم: ۳۵؛ الانبیاء: ۶۹؛ یٰس: ۸۲؛ المومن: ۶۸۔

۳۔ الانبیاء: ۵۵؛ الاعراف: ۱۴۳۔

۴۔ عبدالرشید، مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۹ء، جلد۳، لفظ شآءَ۔
۵۔ النحل:۴۰؛ یٰس:۳۸۔
۶۔ البقرہ:۱۱۷؛ آل عمران:۴۷؛ مریم:۳۵؛ المومن:۶۸۔
۷۔ عبد الرشید، محولہ بالا۔ جلد۵، لفظ قضٰی۔
۸۔ الاعلیٰ:۱-۳؛ الفرقان:۲۔
۹۔ الانعام:۹۶؛ یٰس:۳۸۔
۱۰۔ الاعراف:۵۴؛ ابراہیم:۳۲؛ النحل:۱۲، ۶۹؛ الجاثیہ:۱۲۔
۱۱۔ یونس:۱-۳۔
۱۲۔ یونس:۳۱۔
۱۳۔ الرعد:۲۔
۱۴۔ السجدہ:۴-۵۔
۱۵۔ عبدالرشید، جلد۱، لفظ اذن۔
۱۶۔ القدر:۴۔
۱۷۔ الانفال:۷۔
۱۸۔ الانفال:۴۲-۴۳۔
۱۹۔ الانفال:۴۳-۴۴۔
۲۰۔ الانفال:۹۔
۲۱۔ الانفال:۱۱۔
۲۲۔ آل عمران:۱۵۲۔
۲۳۔ آل عمران:۴۹؛ المائدہ:۱۱۰؛ ابراہیم:۱۱؛ سبا:۱۲۔
۲۴۔ یوسف:۸۷؛ الواقعہ:۸۹۔
۲۵۔ النحل:۲؛ المومن:۱۵؛ الشوریٰ:۵۲۔
۲۶۔ البقرہ:۸۷، ۲۵۳؛ المائدہ:۱۱۰؛ النحل:۱۰۲؛ الشعراء:۱۹۳؛ النبا:۳۸؛ البینۃ:۴۔
۲۷۔ النساء:۱۷۱؛ الانبیاء:۹۱؛ التحریم:۱۲۔

۲۸۔ الحجر:۲۹؛ السجدہ:۹؛ ص:۸۲۔
۲۹۔ بنی اسرائیل:۸۵۔
۳۰۔ النجم:۵-۶، التکویر:۲۱
۳۱۔ شبیر احمد عثانی۔ القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ اِلی اللُّغۃِ الاردیۃ، مُجَمَّع المَلِک فھد لِطَباعۃِ المُصحَفِ الشریف، (۱۹۸۹)، ص:۳۸۸۔
۳۲۔ ملائکہ کی اصل نور ہے۔اس کے ثبوت کے لئے دیکھئے۔صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ شریف تالیف ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب، عربی اردو ترجمہ از عبدالحکیم خاں اختر، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، سوئی والان، نئی دہلی۔ جلد۳، کتاب الفتن، باب بدء الخلق، حدیث ۵۴۵۶، ص:۱۰۷۔
۳۳۔ الاعراف:۱۷۲۔
۳۴۔ جامع ترمذی۔''ابواب القدر'' اردو ترجمہ بدیع الزماں، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، سوئی والان، نئی دہلی (۱۹۸۳) جلد ا، ص:۷۹۹۔
۳۵۔ مسند احمد، جلد۴، ص:۲۷۴ (پرانی مصری طباعت)۔
۳۶۔ جامع ترمذی۔ گذشتہ ص:۷۹۸۔
۳۷۔ مسند احمد، گذشتہ۔ جلد۲، ص:۲۶۰۔
۳۸۔ حوالہ سابق، ص:۳۹۷۔
۳۹۔ ابن کثیر۔ تفسیر القرآن الکریم، داراحیاء الکتب العربیۃ، عیسی البابی حلبی و شرکاءہ، الجزء الرابع، ص ص ۴۹۶-۹۷
۴۰۔ یٰس:۸۲۔
۴۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، (۱۹۸۲)، حاشیہ ۸۰ برائے آیت ۱۱۲ سورہ الانعام، ص:۵۷۳۔
۴۲۔ الذاریات:۵۶۔
۴۳۔ البقرہ:۳۰۔
۴۴۔ النساء:۳۰۔

۴۵۔ الحجرات: ۱۳۔

۴۶۔ عبد الرشید، مکمل لغات القرآن، جلد ۴، ص: ۲۱۱ تا ۲۱۴۔ مزید ملاحظہ کریں عبدالحق انصاری، ''مقاصدِ زندگی کا اسلامی تصور'' مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، (۱۹۸۰)، ص: ۴۳ تا ۵۳۔

۴۷۔ البقرہ: ۳۰۔ خلافت کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے ملاظہ کیجیے مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، شبیر احمد عثمانی، سید قطب اور ابوالاعلیٰ مودودی کی تفاسیر۔

۴۸۔ ایضاً۔ اسلامی سائنس کے موضوع پر ملاحظہ کیجئے جنرل آف اسلامک سائنس علی گڑھ میں مختلف مفکرین کے شائع شدہ مقالات۔

۴۹۔ Nasr, S.H "Knowledge and the Sacred" Edinburgh University pres, Edinburgh (1981), Preface and Chapters 1-4. Also see Khurshed Anwar, "The Epistemology of Iqbal, Iqbal Academy, Pakistan, Lahore (1996)

۵۰۔ البقرہ: ۱۷۹؛ الانبیاء: ۱۰۷؛ العنکبوت: ۴۵؛ الحدید: ۲۵؛ الحشر: ۷۔

۵۱۔ البقرہ: ۱۶۴۔

۵۲۔ آل عمران: ۱۹۰۔

۵۳۔ الحجر: ۷۵۔

۵۴۔ الانعام: ۵۸۔

۵۵۔ الرعد: ۳؛ النحل: ۱۱، ۶۹؛ الروم: ۲۱؛ الزمر: ۴۲؛ الجاثیہ: ۱۳۔

۵۶۔ یونس: ۱۰۱؛ النحل: ۷۹؛ النمل: ۸۶؛ العنکبوت: ۴۴، ۶۹؛ الروم: ۳۷؛ الزمر: ۵۲۔

۵۷۔ البقرہ: ۱۳، ۱۳۰، ۱۴۲؛ النساء: ۱۱۱؛ الاعراف: ۱۳۸، ۱۵۵۔

۵۸۔ الانفال: ۲۲، ۵۵؛ الفرقان: ۴۴۔

۵۹۔ الجمعۃ: ۵۔

۶۰۔ الجمعۃ: ۵۔

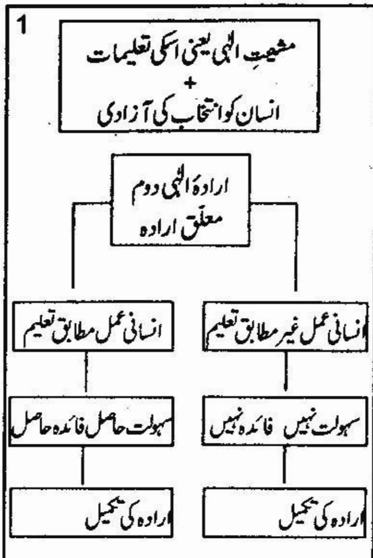

تصویر۱: مشیت اور ارادہ دوم کے درمیان تعلق

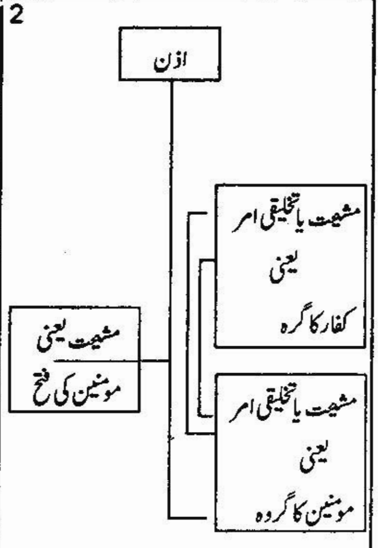

تصویر۲: مشیت کے دو زمروں میں تعامل اور اذن کی حصہ داری

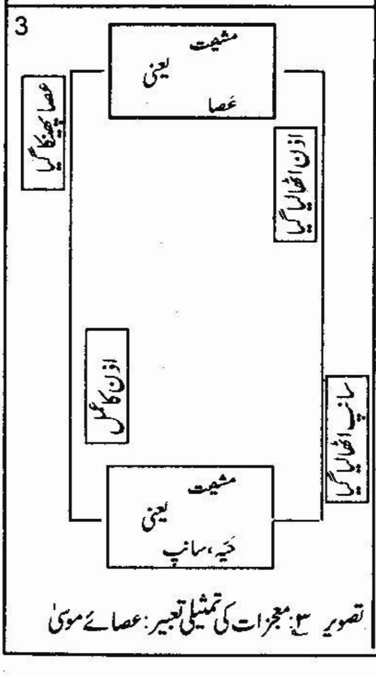

تصویر ۳: معجزات کی تمثیلی تعبیر: عصائے موسیٰ

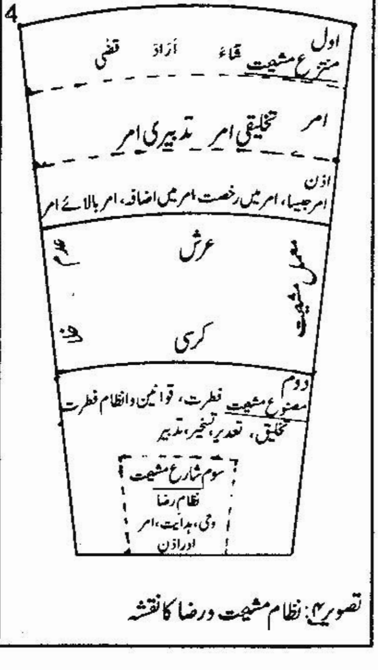

تصویر۴: نظام مشیت و رضا کا نقشہ